

حدیث میں بیان کیا گیا ہے۔ ان مذکورہ حوالوں کو با نظر غور و انصاف دیکھنے سے واضح ہو جائے گا کہ بِسْمِ اللہ سب سے پہلے کے ثبوت پر متعدد احادیث صحیحہ وارد ہیں جب کہ مخالفین کا دامن کسی ایک صحیح حدیث سے بھی خالی ہے۔

فاتحہ خلف الامام پر بحث

اب جاء الحق سے چوتھا باب ملاحظہ ہو مفتی احمد یار خاں نعیمی رحمۃ اللہ علیہ اس باب کی ابتداء میں بطور تمہید فرماتے ہیں کہ امام کے پیچھے مقتدی کو قرآن شریف پڑھنا سخت منع ہے مگر غیر مقلد وہابی مقتدی پر سورہ فاتحہ پڑھنا فرض جانتے ہیں اس ممانعت پر قرآن کریم احادیث شریفہ اقوال صحابہ کبار عقلی دلائل بے شمار ہیں لہذا ہم اس باب کی دو فصلیں کرتے ہیں۔ پہلی فصل میں اس کی ممانعت کا ثبوت اور دوسری فصل میں اس پر سوالات مع جوابات۔ رب تعالیٰ قبول فرمائے۔

فصل اول - امام کے پیچھے مقتدی کو قرآن کی تلاوت کرنا منع ہے۔ خاموش رہنا ضروری ہے دلائل ملاحظہ ہوں قرآن شریف فرماتا ہے: (وَإِذَا قُرِئَ الْقُرْآنُ فَاسْتَمِعُوا لَهُ وَأَنْصِتُوا لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُونَ) اور جب قرآن شریف پڑھا جائے تو اسے کان لگا کر سنو اور خاموش رہو تاکہ رحم کئے جاؤ۔ خیال رہے شروع اسلام میں نماز میں دنیاوی بات چیت بھی جائز تھی اور مقتدی قراءۃ بھی کرتے تھے بات چیت تو اس آیت سے منسوخ ہوگئی (وَقَوْمُوا لِلَّهِ قَانِتِينَ) اور کھڑے ہو اللہ کے لیے حاعت کرتے ہوئے (خاموش) چنانچہ مسلم نے باب تحریمہ الکلام فی الصلوٰۃ اور بخاری نے باب نہی بِنَ الْكَلَامِ فِي الصَّلَاةِ میں حضرت زید بن ارقم رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی ہے (قَالَ كُنَّا نَتَكَلَّمُ فِي الصَّلَاةِ يُكَلِّمُ الرَّجُلُ صَاحِبَهُ وَهُوَ إِلَى جَنْبِهِ فِي الصَّلَاةِ حَتَّى نَزَلَتْ (وَقَوْمُوا لِلَّهِ قَانِتِينَ) فَأَمْرُنَا بِالسَّكُوتِ وَنَهْيُنَا عَنِ الْكَلَامِ - وَلَفْظُ مُسْلِمٍ) ہم لوگ نماز میں باتیں کر لیا کرتے تھے ہر ایک اپنے ساتھی سے نماز کی حالت میں گفتگو کر لیتا تھا یہاں تک کہ یہ آیت اتری (وَقَوْمُوا لِلَّهِ) پس ہم کو حکم دیا گیا خاموش رہنے کا اور کلام سے منع فرما دیا گیا پھر نماز میں کلام تو منع ہو گیا مگر

تلاوت قرآن مقتدی کرتے رہے جب آیت اتری تو مقتدی کو تلاوت بھی ممنوع ہوگئی (لَمَّا إِذَا قُرِئَ الْقُرْآنُ فَاسْتَمِعُوا) (الخ) جب قرآن پڑھا جائے تو غور سے سنو اور چپ رہو۔ جاء الحق کے مذکورہ باب کا جواب دینے کو وہابی جی نے اپنی علمی قابلیت کو منوانے کے لیے عربی عبارت میں باب باندھا ہے جسے دیکھ کر اہل علم بخوبی جان جائیں گے کہ یہ صاحب علم نحو کے ابتدائی قواعد سے بھی کورا ہے مگر وہابیوں کا اسے عربی دانی پر داد دینا باعث تعجب نہیں کیونکہ اندھوں کی نگری میں یک چشم گم کردہ بھی بیٹا تر سمجھا جاتا ہے۔ باب کی عبارت ملاحظہ فرمائیں۔ باب ترک القراءۃ الفاتحہ خلف الامام) نام نہاد دین الحق - ص ۲۷۴ اس میں القراءۃ - مضاف واقعہ ہوا ہے اور الفاتحہ مضاف الیہ جب کہ نحوی قاعدہ کے تحت مضاف پر الف لام نہیں آتا جب کہ اس صاحب نے مضاف پر الف لام لا کر اسے موصوف و صفت کے مشابہ بنا دیا ہے۔ بہر حال مفتی احمد یار خاں نعیمی رحمۃ اللہ علیہ نے زیر بحث باب کی ابتداء میں مقتدی کو امام کے پیچھے قراءۃ کے عدم جواز پر قرآن مجید سے ثبوت دینے کے بعد فرمایا تھا کہ شروع اسلام میں نماز میں دنیاوی بات چیت بھی جائز تھی اور مقتدی قراءۃ بھی کرتے تھے بات چیت تو اس آیت سے منسوخ ہوگئی (وَقَوْمُوا لِلَّهِ قَانِتِينَ) مگر تلاوت مقتدی کرتے رہے جب یہ آیت اتری (وَإِذَا قُرِئَ الْقُرْآنُ فَاسْتَمِعُوا لَهُ وَأَنْصِتُوا) تو مقتدی کو تلاوت بھی ممنوع ہوگئی۔ اس پر بزم خود الحمدیث صاحب شدید اعتراض کرتے ہوئے لکھتا ہے۔ مفتی صاحب کا مذکورہ استدلال غلط باطل اور مردود ہے کیونکہ آیت (وَإِذَا قُرِئَ الْقُرْآنُ) مکہ مکرمہ میں نازل ہوئی تھی جیسا کہ مفتی صاحب کو بھی اقرار ہے ایضاً ص ۳۲ - اور (وَقَوْمُوا لِلَّهِ) مدینہ میں نازل ہوئی اور اسی سے نماز میں کلام سے ممانعت کی گئی مولانا ارشاد الحق اثری نے کیا خوب لکھا ہے کہ اگر (وَإِذَا قُرِئَ الْقُرْآنُ) کا شان نزول خاص نماز اور قراءۃ خلف الامام ہے تو یہ بات بھی کس قدر تعجب ناک ہے کہ قراءۃ جو نماز ہی کا حصہ ہے اور جزء ہے وہ تو اس سے ناجائز قرار پائے مگر معمولی کلام و سلام اس سے منع نہ ہو بلکہ اس کی ممانعت کئی سال بعد مدینہ میں آکر ہوئی جب یہ آیت عمومی

کلام کو نہیں روکتی تو قراءہ کی ممانعت کی کیسے دلیل ہو سکتی ہے ورنہ لازم آئے گا کہ صحابہ کرام قراءہ سے تو رک گئے تھے مگر امام کے پیچھے ہو کلام رہتے تھے اور سلام و کلام کرتے تھے اس کا تصور تو وہی کر سکتا ہے جو صحابہ کرام کو مثل انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو غیر فقیہ قرار دیتا ہے مفتی صاحب نے اسی اعتراض سے جان چھڑانے کے لیے الٹی لنگا بھا کر (وَإِذَا قُرِئَ الْقُرْآنُ) کا شان نزول (قوموا للہ) سے بعد بتایا کہ کوئی مقتدی یہ سوال نہ کرے کہ حضرت جی جو آیت نماز میں گفتگو روک نہ سکی وہ قراءہ قرآن کو کیسے روک سکتی ہے؟ اور ہماری طرف سے دنیا بھر کے بریلویوں کو کھلا چیلنج ہے کہ وہ یہ ثابت کر دیں کہ (وَإِذَا قُرِئَ الْقُرْآنُ) کے نزول کے وقت آیت (قوموا للہ) نازل ہو چکی تھی اور نماز میں بات چیت تو (قوموا للہ) سے پہلے منسوخ ہو گئی اور بعد ازاں (وَإِذَا قُرِئَ الْقُرْآنُ) نازل ہوئی جس سے قراءہ قرآن بھی منسوخ ہو گئی یقین جانئے کہ یہ سب مل کر بھی کسی واضح دلیل سے (وَإِذَا قُرِئَ الْقُرْآنُ) کا نزول (وقوموا للہ) کے بعد ثابت نہیں کر سکتے۔ نام نہاد دین الحق ص ۲۷۵ تا ۲۷۷ - الجواب (اولاً) قارئین حضرات وہابی جی کی اس بات کی حقیقت دیکھیں کہ مفتی صاحب نے اس اعتراض سے جان چھڑانے کو کہ کوئی مقتدی یہ سوال نہ کر دے کہ حضرت جو آیت نماز میں گفتگو نہ روک سکی وہ قراءہ قرآن کو کیسے روک سکتی ہے (وَإِذَا قُرِئَ الْقُرْآنُ) کا نزول (وقوموا للہ) سے بعد بتایا۔ دیکھنا یہ ہے کہ کیا مفتی صاحب نے (وَإِذَا قُرِئَ الْقُرْآنُ) کا نزول (قوموا للہ) سے بعد کا بتایا ہے یا اس کا ثبوت ملتا ہے۔ علامہ الحافظ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ علیہ لکھتے ہیں: ظاہر فی ان نسخ الکلام فی الصلوۃ وقع بالمدينة بهذه الآية فيقتضي ان النسخ وقع بالمدينة لان الآية مدنية بالاتفاق فيشكل ذلك على قول ابن مسعود ان ذلك وقع لمار جمعوا من عندا لنجاشي وكان رجوعهم من عنده الى مكة وذلك ان بعض المسلمين هاجر الى الحبشة ثم بلغهم ان المشركين اسلموا فرجعوا الى مكة فوجدوا الامر بخلاف ذلك وشهدوا

عليهم فخرجوا اليها ايضا فكانوا في المرة الثانية اضعاف الاولى وكان ابن مسعود مع الفريقين واختلف في مراده بقوله فكما رجعوا فهل اراد الرجوع الاول او الثاني لجرح القاضي ابو الطيب الطبرني واخرون الى الاول وقالوا كان تحريم الكلام بمكة وحملوا حديث زيد على انه وقومه لم يبلغهم النسخ وقالوا لا مانع ان يتقدم الحكم ثم تنزل الآية بوقفه وجرح اخرون الى الترجيح فقالوا يترجح حديث ابن مسعود حكى لفظ النبي صلى الله عليه وآله وسلم بخلاف زيد ابن ارقم فلم يحكه

(فتح الباری شرح بخاری ج ۳ ص ۷۴)

یعنی ظاہر معلوم ہوتا ہے کہ نماز میں کلام کرنا مدینہ میں منسوخ ہوا اس آیت سے (قوموا للہ) پس مقتضی ہے کہ بے شک مدینہ میں منسوخ ہوا اس لیے کہ آیہ بالاتفاق مدینہ ہے تو یہ مشکل ہے ابن مسعود رضی اللہ عنہ کے قول پر جس میں ہے کہ نسخ اس وقت واقع ہو چکا تھا جب وہ نجاشی کے پاس سے واپس لوٹے اور ان کا اس کے پاس سے واپس آنا مکہ میں تھا اور واقعہ یوں تھا کہ کچھ مسلمانوں نے حبشہ کو ہجرت کی پھر انہیں خبر پہنچی کہ مشرکین نے اسلام قبول کر لیا ہے تو وہ واپس مکہ آئے لیکن خبر جھوٹ تھی اور انہیں سخت تکلیفیں پہنچیں پھر وہ حبشہ کو نکلے اور دوسری بار وہ پہلے سے دگئے تھے اور ابن مسعود دونوں ہجرتوں میں ساتھ تھے اور اختلاف اس میں ہوا جو انہوں نے فرمایا کہ (نماز میں سلام و کلام) اس وقت منسوخ ہوا جب وہ واپس آئے آیا مراد اول بار آتا ہے یا دوسری بار قاضی ابو طیب طبری اور کچھ حضرات اس طرف گئے ہیں کہ مراد اول بار ہے اور انہوں نے کہا کہ نماز میں کلام منع مکہ میں ہوا اور زید کی حدیث کو اس پر محمول کیا کہ اسے اور اس کی قوم کو سلام و کلام کا نسخ پہنچا نہیں تھا نیز انہوں نے کہا کہ کوئی مانع نہیں اس میں کہ حکم پہلے آ گیا ہو پھر آیت اس کے موافق بعد میں اتری ہو اور بعض علماء ترجیح کی طرف گئے ہیں انہوں نے کہا ابن مسعود کی حدیث کو ترجیح حاصل ہے کیونکہ اس نے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لفظ نقل کیے ہیں بخلاف زید بن ارقم کے کہ اس نے الفاظ بیان نہ کیے اور

عمدة القاری شرح بخاری میں علامہ بدر الدین عینی یوں لکھتے ہیں: كَسَمًا رَجَعُوا مِنْ عِنْدِ النَّسَّاجِيِّ كَانَ رَجوعُهُمْ مِنْ عِنْدِهِ إِلَى مَكَّةَ وَذَلِكَ أَنَّ الْمُسْلِمِينَ الَّذِينَ ذَكَرْنَا هُمْ أَنَّهُمْ هَاجَرُوا إِلَى الْحَبَشَةِ بَلَّغَهُمْ أَنَّ الْمَشْرُوكِينَ اسْلَمُوا فَرَجَعُوا إِلَى مَكَّةَ فَوَجَدُوا الْأَمْرَ بِخِلَافِ ذَلِكَ وَاشْتَدَّ الْأَذَى عَلَيْهِمْ فَخَرَجُوا إِلَيْهَا أَيْضًا فَكَانُوا فِي مَرَّةٍ الثَّانِيَةِ أَضْعَافَ الْأُولَى وَكَانَ ابْنُ مَسْعُودٍ مَعَ الْفَرِيقَيْنِ وَاخْتَلَفَ فِي مَرَادِهِ بِقَوْلِهِ فَلَمَّا رَجَعْنَا هَلْ أَرَادَ الرَّجُوعَ الْأَوَّلَ أَوِ الثَّانِي فَمَالَتْ جَمَاعَةٌ مِنْهُمْ أَبُو الطَّيِّبِ الطَّبْرِيُّ إِلَى الْأَوَّلِ قَالُوا تَحْرِيمُ الْكَلَامِ كَانَ بِمَكَّةَ وَحَمَلُوا حَدِيثَ زَيْدِ بْنِ أَرْقَمٍ عَلَى أَنَّهُ وَقَوْمُهُ لَمْ يَلْغَوْا النَّسْخَ وَقَالُوا لَا مَانِعَ مِنْ أَنْ يُقَدَّمَ الْحُكْمُ ثُمَّ تَنَزَّلَ الْآيَةُ بِوُفْقِهِ وَمَالَتْ طَائِفَةٌ إِلَى التَّرْجِيحِ قَالُوا بَنِي جَبِجٍ حَدِيثُ ابْنِ مَسْعُودٍ فَإِنَّهُ حَكَاهُ لَفْظُهُ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِخِلَافِ زَيْدٍ فَلَمْ يَحْكِهِ - جزء ۲۶۸ - جب مسلمان نجاشی کے پاس سے واپس ہوئے تو ان کا اس کے پاس سے واپس ہونا مکہ کو تھا واقعہ یوں کہ جن مسلمانوں کا ہم نے ذکر کیا انہوں نے حبشہ کو ہجرت کی انہیں خبر ہوئی کہ مشرکین مکہ ایمان لا چکے ہیں جب وہ مکہ آئے تو معاملہ اس کیخلاف پایا اور ان پر اور زیادہ تکلیف ہوئی تو وہ حبشہ کو دوبارہ ہجرت کر گئے تو دوسری بار وہ پہلے سے دگئے تھے اور ابن مسعود رضی اللہ عنہ دونوں ہجرتوں میں ساتھ تھے اور اس کی مراد میں اختلاف کیا گیا جو انہوں نے کہا جب ہم مکہ کو لوٹے تو (سلام وکلام منسوخ پایا) آیا پہلا رجوع مراد ہے یا دوسرا تو ایک جماعت جن میں قاضی ابو الطیب طبری بھی ہیں پہلا رجوع مراد لیتے ہیں انہوں نے کہا کہ نماز میں سلام وکلام مکہ میں منع ہوا اور زید بن ارقم کی حدیث کو اس پر محمول کیا کہ اسے اور اس کی قوم کو نسخ نہ پہنچا اور کہا مانع نہیں ہے کہ حکم پہلے آیا ہو پھر آیت مدینہ میں اتری ہو اس کے موافق اور ایک جماعت ترجیح کی طرف گئی انہوں نے کہا ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی حدیث کو ترجیح حاصل ہے کیونکہ اس نے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے الفاظ بیان کیے بخلاف زید کے کہ اس نے الفاظ اقل نہ کیے ان دونوں عبارتوں سے مفتی احمد یار خاں

نبی رحمۃ اللہ علیہ کے موقف کہ سلام وکلام کا نسخ قرأت خلف الامام کے نسخے سے پہلے ہے کو تقویت پہنچی نیز اس سے آپ کا تحقیقی مقام ظاہر ہوا بخلاف وہابی کے کہ بلا علم و تحقیق پہنچ کرنا پھرتا ہے اب فقیر نے بفضلہ تعالیٰ اس کے پہنچ کا کھلا توڑ کر دیا ان کے لیے ڈوبنے کا مقام ہے مفتی احمد یار خاں نبی رحمۃ اللہ علیہ نے امام کے پیچھے مقتدی کو قرأت کے منع کے ثبوت پر تفسیری حوالوں سے استدلال کرتے ہوئے اوّل حوالہ تفسیر مدارک سے پیش کیا۔ ملاحظہ ہو۔

آیت و اذا قرئ القرآن کے بارے جمہور صحابہ کا مذہب

و جمہور الصَّحَابَةِ عَلَى أَنَّهُ فِي إِسْتِمَاعِ الْمُؤْتَمِعِ أَكْثَرُ صَحَابَةٍ رَضُوا أَنَّ اللَّهَ تَعَالَى اس پر ہیں کہ آیہ (وَإِذَا قُرِئَ الْقُرْآنُ) مقتدی کو امام کی قرأت سننے کے متعلق ہے۔ مذکورہ دلیل پر غیر مقلد کا اعتراض۔ مفتی صاحب نے تفسیر مدارک کی عبارت کو کٹ چھانٹ کر پیش کیا ہے۔ اصل عبارت ملاحظہ ہو۔ (ظاہرہ وجوب الاستماع والانصات وقت قراءة القرآن في الصلوة وغيرها وقيل معناه اذا تلا عليكم الرسول القرآن عند نزوله فاستمعوا له وجمهور الصابة رضى الله عنهم على انه في استماع المؤتم وقيل في استماع الخطبة وقيل فيهما وهو الاصح) اس آیت کے ظاہر سے نماز میں اور اس کے علاوہ قرآن مجید پڑھتے وقت خاموش اور اسے سننے کا وجوب ثابت ہے اور کہا گیا کہ مراد اس سے یہ ہے کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بوقت نزول تم پر قرآن پڑھیں تو اس کو کان لگا کر سنو اور جمہور صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجماعاً اس موقف پر ہیں کہ بے شک اس کا حکم مقتدی کے سننے میں ہے اور کہا گیا ہے کہ اس کا حکم خطبہ میں ہے اور کہا گیا کہ اس کا حکم امام کے پیچھے مقتدی اور خطبہ دونوں کے متعلق ہے اور یہی صحیح ہے۔ تفسیر مدارک التزمیل زیر تفسیر آیہ (وَإِذَا قُرِئَ الْقُرْآنُ)

الجواب اوّل - مذکورہ عبارت سے مخالف کے مذہب کو کچھ فائدہ نہیں کہ اس کے حصول کے لیے واویلا کرے اہل علم خوب جان جائیں گے کہ صاحب تفسیر نے آیہ

مبارکہ کی ظاہر دلالت یہ بیان کی کہ اس سے بوقت قرأت قرآن سننے اور خاموش رہنے کا وجوب ثابت ہوتا ہے نماز میں اور نماز کے علاوہ بھی جب کہ غیر مقلدوں کا مذہب اس کے برعکس ہے۔ وہ مقتدی پر خاموشی کے وجوب کے قائل نہیں بلکہ اس پر فاتحہ پڑھنے کے وجوب کے قائل ہیں۔ پھر جو بات مخالف کے مطلب کی تھی وجوب کی تخصیص نزول قرآن کے وقت ساتھ خاص ہونا تو اسے بصیغہ مجہول قیل سے بیان کیا جس کا قائل معلوم نہیں اس کے بعد جمہور صحابہ کا مذہب بیان کیا کہ اس کا حکم مقتدی کے سننے میں ہے اور یہی مذہب بلفظہ تعالیٰ احناف کا ہے۔

ثانیاً: مفتی صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے تمام عبارت اس لیے پیش نہ کی کہ جب جمہور صحابہ رضوان اللہ علیہم کا ارشاد آگیا تو اقوال ضعیفہ و شاذہ اس کے مقابلہ میں حجت نہ رہے ان کو لکھنا طول لا حاصل تھا۔ واضح رہے کہ آیت (وَإِذَا قُرِئَ الْقُرْآنُ) امام کے پیچھے مقتدی کی قرأت کے عدم جواز پر احناف کی قوی دلیل ہے جسے احادیث و آثار کی تائید بھی حاصل ہے وہابی صاحب اس کے توڑ میں کوشاں ہے لہذا اس کی تخصیص کا دعویٰ کر کے یہ باور کرانا چاہتا ہے کہ امام کے پیچھے فاتحہ کا پڑھنا اس کے خلاف نہیں اس دعویٰ پر دلیل کے طور پر غیث الغمام کے حوالہ سے لکھتا ہے (واما بنخبر واحد فقال بسجوازاها اَلْاَلَمَةُ الاربعہ) خبر واحد سے عام کی تخصیص آئمہ اربعہ کے نزدیک جائز ہے۔ نام نہاد وین الحق ۲۸۱

الجواب۔ مذکورہ عبارت میں وہابی صاحب کے دعویٰ کی کوئی دلیل نہیں نہ تو اس میں عام کا ذکر ہے نہ تخصیص کا مگر اس صاحب نے مقصد تک رسائی کے لیے عام کی تخصیص کے الفاظ ترجمہ میں پاس سے داخل کر دیے۔ مذکورہ دعویٰ کو دلیل فراہم کرنے کو وہابی صاحب نے تفسیر کبیر کا حوالہ پیش کیا۔ جس کے الفاظ ہیں (نقول الفقہاء اجمعوا علی انه يجوز تخصیص عموم القرآن بنخبر الواحد) (نام نہاد وین الحق۔ ص ۲۸۱) یعنی ہم کہتے ہیں کہ فقہاء کا اس پر اجماع ہے کہ عموم قرآن کی تخصیص خبر واحد سے جائز ہے۔

الجواب اولاً۔ اس میں یہ وضاحت نہیں کہ فقہاء کرام کون سے عام کی تخصیص کے قائل خبر واحد سے ہوئے ہیں۔ جب کہ عام دو طرح پر ہے۔

عام قطعی و عام ظنی کا بیان:

۱۔ عام قطعی

۲۔ عام ظنی

عام ظنی وہ ہے جس سے بعض کی تخصیص خود صاحب کلام نے کر دی ہو یا خارجی قوی دلیل سے تخصیص ہو چکی ہو اس کا باقی عام ظنی ہے۔ اس عام کی تخصیص خبر واحد سے علمائے اصول نے جائز بتائی ہے۔ جیسا کہ نور الانوار اور فصول الحواشی علی الاصول الشاشی میں ہے۔ اور عام قطعی بمنزلہ خاص ہے اس پر عمل قطعی و لازمی ہے۔ اب اس مذکورہ تقریر کا ثبوت ملاحظہ ہو۔

وَأَمَّا الْعَامُ فَهُوَ عَامٌ خَصَّ الْبَعْضَ وَالْعَامُ لَمْ يَخُصَّ عَنْهُ شَيْءٌ

كل نوع مستثنى بحكم علة واحدة فالعام الذي لم يخص عنه

شيء فهو بمنزلة الخاص في حق لزوم العمل به قطعاً و يقيناً

وهذا مذهب أكثر المشائخ (فصول الحواشی لاصول الشاشی)

یعنی عام دو قسم پر ہے ایک وہ عام جس سے بعض خاص کیا گیا دوسرا وہ جس سے کچھ خاص نہ کیا گیا ان میں سے ہر ایک کا حکم جدا جدا ہے پس وہ عام جس سے کچھ کو خاص نہ کیا گیا وہ بمنزلہ خاص ہے یعنی لزوم عمل کے حق میں قطعی و یقینی ہے۔ اور یہ مذہب اکثر مشائخ کا ہے۔ واضح رہے کہ عام قطعی قوت میں خاص کے مساوی ہے چنانچہ نور الانوار میں

(فعمدنا العام قطعی فیکون مساویاً للخاص حتی یجوز نسخ

الخاص به ای بالعام لانه یشرط فی النسخ ان یکون مساویاً

للخاص او خیر امانہ)

پس ہمارے نزدیک عام قطعی خاص کے مساوی ہے یہاں تک کہ اس سے خاص کا

سخ جائز ہے یعنی عام کے ساتھ کیونکہ نسخ میں شرط ہے کہ نسخ خاص کا مساوی یا اس سے قوی ہو۔ جب ثابت ہوا کہ وہ عام جس میں سے کچھ خاص نہ ہو قطعیت و وجوب عمل اور قوت میں خاص کے مساوی ہے تو پھر خبر واحد جو کہ خود ظنی ہے اس سے عام قطعی کے تخصیص کیسے جائز ہوگی۔ مذکورہ عبارتیں جن کو غیر مقلد نے اپنے دعویٰ پر دلیل بنایا ان سے اس عام کی تخصیص مراد ہوگی جس سے کچھ کی تخصیص دلیل قوی سے ہو چکی تو اس کا باقی عموم ظنی رہا۔

ثانیاً: تم نے خود تفسیر مدارک کی عبارت پیش کی ہے جس میں جمہور صحابہ رضی اللہ عنہم کا ارشاد ہے کہ آیت (وَإِذَا قُرِئَ الْقُرْآنُ) مقتدی کو امام کی قرأت سننے میں ہے جب کہ آپ کے دعویٰ تخصیص کا مقصد یہی ہے کہ مقتدی امام کے پیچھے فاتحہ پڑھنے میں اس کے حکم سے خاص ہے آیت کا حکم سننے اور خاموش رہنے کا اسے شامل نہیں۔ یہ تو آپ کی مذہب پرستی ہوئی نہ کہ دین پرستی۔

ثالثاً: اس کی تائید میں کہ امام کے پیچھے مقتدی قرأت نہ کرے بلکہ امام کی قرأت سننے پر معتبر کتب احادیث میں بکثرت احادیث موجود ہیں جن میں سے اختصار کے پیش نظر یہاں صرف دو پیش کرتا ہوں جو وہابی صاحب کے دعویٰ تخصیص کے رد اور ہمارے موقف کی تائید کو کافی ہیں ملاحظہ ہو۔

غیر مقلد کے دعویٰ کا رد دو حدیثوں سے

حدثنا اسحاق بن موسى الانصاري ناعمنا ناملك عن ابي نعيم
وهب بن كيسان انه سمع جابر بن عبد الله يقول من صلى
ركعة لم يفسر فيها ام القرآن فلم يصل الا ان يكون وراء
الامام . هذا حديث حسن صحيح - جامع ترمذی جزء اول ص ۴۲

ابو نعیم و ہب بن کيسان سے ہے کہ اس نے حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ کو فرماتے سنا کہ جس نے کوئی رکعت پڑھی جس میں سورۃ فاتحہ کو نہ پڑھا تو اس نے نماز نہ پڑھی (یعنی کامل نماز نہ پڑھی) مگر جب کہ وہ امام کے پیچھے ہو۔ یہ حدیث حسن صحیح ہے۔

۲: غیر مقلدوں کے امام شوکانی صاحب نے اپنی فیل الاوطار جزء ثانی مطبع بروٹ کے ص ۲۲۲ پر یہ حدیث لکھی (عن ابي هريرة ان رسول الله صلى الله تعالى عليه وآله وسلم قال انما جعل الامام ليؤتم به فاذا كبر فكبروا واذا قرء فأنصتوا روه الخمسة الا الترمذی وقال مسلم هو صحيح) - حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: امام اسی لیے بنایا جاتا ہے کہ اس کی اقتداء کی جائے جب وہ تکبیر کہے تم بھی تکبیر کہو اور جب وہ قرأت کرے تو تم خاموش رہو۔ اسے ترمذی کے علاوہ پانچواں صحاح ستہ نے روایت کیا اور امام مسلم نے کہا یہ حدیث صحیح ہے۔ ان دونوں صحیح حدیثوں سے ثابت ہوا کہ مقتدی پر امام کی قرأت سننا اور خاموش رہنا واجب ہے جب کہ غیر مقلدین ان صحیح حدیثوں کا خلاف کرتے ہیں اور حیلے بہانے سے آیہ قرآنی سے پیچھا چھوڑاتے ہیں۔ مفتی احمد یار خاں نعیمی رحمۃ اللہ علیہ کی پیش کردہ مدارک المتزیل کے حوالہ کے جواب ثانی کے تحت وہابی صاحب لکھتا ہے اگر اس سے یہی مراد ہے جو مفتی صاحب نے لیا ہے تو یہ حکم صرف حالت قرأت میں ہے اگر سکات میں مقتدی فاتحہ پڑھے لے تو یہ آیت کے خلاف نہیں آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے عمل سے سکات کا ثبوت ملتا ہے۔

۳: نہاد وین الحق ص ۲۸۲

وہابی کے ایک اعتراض کے تین جواب

الجواب اولاً: یہ بتا رہے ہیں کہ سکات نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے عمل سے ہے جنہیں تو ثابت کرنا چاہیے تھا کہ سکات میں رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے مقتدی کو امام کے پیچھے فاتحہ پڑھنے کی اجازت دی اور صحابہ رضوان اللہ علیہم سکتوں کے دوران فاتحہ پڑھتے تھے۔

ثانیاً: اگر یہ ثابت نہیں تو تمہارا سکتوں کے دوران فاتحہ پڑھنا بدعت نہ ہوگا ایسی بدعت جو قرآن و حدیث کے خلاف؟ ثالثاً سکتہ سے مراد سانس کے برابر رکنا ہے اگر اس مقدار میں مقتدی نہ پڑھ سکا تو امام کے ساتھ پڑھے گا تو قرآن کا خلاف لازم نہ

آئے گا۔ اسی حوالہ کے تحت وہابی صاحب تیسرے جواب میں لکھتے ہیں۔ خود علمائے احناف اس آیت سے بعض امور مستثنیٰ تسلیم کرتے ہیں مثلاً مقتدی اگر بعد میں جماعت میں شامل ہو تو علمائے احناف اسے ثناء پڑھنے کی اجازت دیتے ہیں چنانچہ صاحب مذہب لکھتے ہیں: والممسوق یاتی بالثناء اذا ادرك الامام حالة المصاحفة ثم اذا قام الى قضا ما سبق یاتی به ايضا . کذا ذكره في الملتقط و اذا ادرك الامام وهو یجهر یستمع ویبصت وقال بعضهم یاتی بالثناء عند سکنات الامام کلمة وعن الفقيه ابی جعفر اذا ادرك الامام فی الفاتحة یثنی بالانفاق ذکره فی الزخیرة۔ یعنی مقتدی سری نمازوں میں ثناء پڑھے پھر اگر ماسبق کی قضا کے لیے کھڑا ہو تو بھی ثناء پڑھے جیسا کہ الملتقط میں ہے اور جب امام کو حالت جہر میں ملے تو امام کی قرأت سنے اور خاموش رہے اور بعض نے کہا ہے کہ امام کے سکنات میں ایک ایک کلمہ کر کے ثناء پڑھے فقیہ ابو جعفر سے ہے کہ جب امام کو بحالت قرأت فاتحہ آئے تو بالاتفاق ثناء پڑھے جیسا کہ ذخیرہ میں لکھا ہے (یعنی) اس عبارت سے واضح ہوا کہ احناف سری میں مقتدی کو ثناء پڑھنے اور بعض جہری کے سکنات میں بھی پڑھنے کا حکم دیتے ہیں۔

نام نہاد وین الحق ص ۲۸۳ الجواب اولاً غیر مقلد صاحب نے منیۃ المصلیٰ سے ایک شاذ قول لے کر اسے تمام احناف کے ذمہ لگا دیا حالانکہ حقیقتاً امر اس طرح نہیں احناف کے معتبر فتاویٰ درالفتاویٰ میں ہے (اذا شرع الامام فی القراءة سواء کان مسبقاً او مؤخرّاً وسواء کان امامه یجهر بالقراءة او لا فانه لا یاتی به لما فی النہر عن الصغیری ادرك الامام فی القيام یثنی ما لم یبدء بالقراءة وقیل فی المتخافة یثنی . الدر المختار مع الشامی۔ ج ۱ ص ۳۲۸

جب امام قرأت شروع کر لے برابر ہے کہ مقتدی مسبوق ہو یا مدبر اور برابر ہے کہ اس کا امام بلند قرأت کر رہا ہو یا آہستہ پس وہ بہر صورت ثناء نہ پڑھے اس لیے جو الصغیری سے انہر میں بیان ہوا کہ جب امام کو پہلی رکعت کے قیام میں پالے تو جب

تک اس نے قرأت کا آغاز نہ کیا ہو ثناء پڑھ لے اور کہا گیا کہ سری نماز میں ثناء پڑھے لے۔

حاشا: وہابی صاحب نے یہ تو دعویٰ کیا کہ خود علمائے احناف اس آیت سے بعض امور کو مستثنیٰ قرار دیتے ہیں مگر ان امور کی تفصیل ذکر نہ کی اگر یہ اپنے اس دعویٰ میں سچے تھے تو ان امور کی نشاندہی کرتے جب ایک امر کو ذکر کیا تو اس پر شاذ قول پیش کر کے احناف کا موقف ظہر ادا کیا یہ حال ہے ان وہابیوں کا اللہ ان کے کمر سے محفوظ رکھے۔ حاشا ثناء کو امام کے پیچھے قرأت پر دلیل بنانا قیاس مع الفارق ہے جو کہ اہل اصول کے نزدیک درست نہیں کیونکہ ثناء امام و مقتدی دونوں کے لیے مسنون ہے بخلاف قرأت کہ وہ مقتدی کو جائز نہیں رابعاً۔ یہ تو حدیث میں آیا کہ قرات الامام قرآنہ لہ۔ یعنی امام کی قرأت مقتدی کی قرأت ہے یہ تو نہ آیا کہ ثناء الامام ثناء لہ۔ وہابی صاحب چوتھے جواب کے تحت لکھتے ہیں۔ امام کی قرأت کے وقت اگر کوئی نماز میں شامل ہونے کا ارادہ کرے گا تو لا محالہ وہ تکبیر تحریمہ کہہ کر نماز میں داخل ہوگا۔ اگر اس آیت کو عموم پر ہی محمول کیا جائے تو امام کی قرأت کے وقت نماز میں شامل ہونے والا ازروئے آیت مجرم ہے جس سے قرآن کی مخالفت اور نماز کے ضیاع کا پہلو سامنے آتا ہے لہذا اس آیت کو بعض حالتوں میں خاص ماننا پڑیگا۔ نام نہاد وین الحق ص ۲۸۳

غیر مقلد کے بے جوڑ کلیے

الجواب اولاً: غیر مقلد ایسے بے جوڑ کلیے گھڑ کر اپنی بے عقلی ظاہر کر رہا بات تو نماز میں امام کے پیچھے قرأت کی ہو رہی تھی اور یہ صاحب تکبیر تحریمہ پر اسے قیاس کر رہا ہے کہ نماز میں داخل ہونے کو کہی جاتی ہے اس کے ختم ہونے سے پہلے تو وہ نماز میں داخل ہی نہیں جب داخل ہوا تو تکبیر ختم ہو چکی تھی۔ ثانیاً ہماری بات امام کے پیچھے قرأت کے ہم جواز میں ہے جب کہ یہ اس کی بات کرتا ہے جو قرأت نہیں۔

حاشا: مقتدی کا تکبیر تحریمہ کہنا ضرورت نماز سے ہے کیونکہ جب تک وہ تکبیر نہیں کہتا نماز میں داخل ہی نہ ہوگا۔ اس لیے کہ یہ دخول نماز کیلئے شرط ہے جب کہ مقتدی کو

قرأت کرنا ضرورت نماز سے نہیں بلکہ اسے منع ہے از روئے حدیث امام کی قرأت ہی اس کی قرأت ہے تو ایسے عمل کو جو ضرورت نماز سے ہے اس پر قیاس کرنا جو منع ہے بے عقلی و جہالت کی دلیل ہے اصل میں بات یہ ہے کہ غیر مقلدین آئمہ حق مجتہدین کا اجتہاد نہیں مانتے لہذا انہیں اللہ سبحانہ تعالیٰ کی طرف سے سزا ہے کہ جس اجتہاد و قیاس کو ناجائز و حرام کہتے ہیں اسی کا ارتکاب یہ خود کرتے ہیں مگر بلا اصول و ہدائی صاحب پانچویں جواب کے تحت لکھتے ہیں۔ امام قرأت میں غلطی کرے تو بالاتفاق مقتدی کے لیے امام کو لقمہ دینا جائز ہے اور علماء احناف کا آج بھی عمل دیکھا جاسکتا ہے بالخصوص نماز تراویح میں اگر استماع انصاف مطلقاً واجب ہے تو یہ لقمہ دینا کیسے جائز ہوا۔ نام نہاد دین الحق ص ۲۸۴ جواب

بوقت غلطی امام کو لقمہ دینا نماز کی اصلاح اور ضرورت سے ہے اگر لقمہ نہ دیا جائے تو شدید غلطی کی صورت میں نماز فاسد ہو جائے گی اور جس عمل کی شرع نے عذر و ضرورت کے وقت رخصت دی وہ کسی عام کی تخصیص کی دلیل نہیں جیسے ایذا کے اندیشے کے وقت نمازی کو بحالت نماز موذی جانور کو مارنے کی رخصت اور عذر کے وقت مریض کو نماز بیٹھ یا لیٹ کر پڑھنا یہ آیہ وَقُولُوا لِلّٰہِ قَانِیْنِ کی تخصیص کی دلیل نہیں۔ غیر مقلد کا اعتراض۔ کتب فقہ حنفیہ میں ہے کہ امام خطبہ دے رہا ہو تو سب کو خاموش رہنا چاہیے اس لیے کہ ان حضرات نے اس آیت (وَإِذَا قُرِئَ الْقُرْآنُ) سے استدلال کیا ہے مگر اسی کے ساتھ ہی انہوں نے یہ فتویٰ بھی دیا ہے کہ جب امام یَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا صَلُّوا عَلَیْہِ وَسَلِّمُوا تَسْلِیْمًا پڑھے تو سامعین کو رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم پر آہستہ آہستہ درود و سلام بھیجنا چاہیے۔ نام نہاد دین الحق ص ۲۸۴ جواب

وہابی صاحب کا مذکورہ اعتراض دراصل نادانی پر مبنی ہے کیونکہ جب خطیب مذکورہ آیہ مقدسہ پڑھتا ہے وہ خود بھی درود و سلام پڑھتا نہ کہ قرأت جب کہ ہمارا موقف ہے کہ بوقت قرأت امام کے پیچھے مقتدی کچھ نہ پڑھے بلکہ بمقتضای آیہ (وَإِذَا قُرِئَ الْقُرْآنُ) اسے کان لگا کر سنے اور خاموش رہے۔ غیر مقلد کا ساتھ اس جواب ملاحظہ ہو۔ نماز فجر

کے وقت جب امام نماز پڑھ رہا ہو تو صفوں کے پیچھے احناف حضرات سنتیں پڑھتے ہیں جس کا مشاہدہ آج بھی کیا جاسکتا ہے بلکہ خود مفتی صاحب نے جاء الحق میں اس پر باب لکھا ہے جس کی ضروری تفصیل آگے آرہی ہے۔ اگر آیت عموم پر ہے تو قرأت قرآن کے وقت سنتیں پڑھنا کیونکر جائز ہو گئیں۔ (نام نہاد دین الحق ص ۲۸۴)

الجواب: سنت فجر ادا کرنے کے متعلق ہمارے علمائے فرماتے ہیں کہ اگر کوئی شخص اس وقت آئے جب جماعت ہو رہی ہو تو پہلے دیکھے کہ سنتیں پڑھنے کے بعد جماعت پالے گا۔ پاسکتا ہو تو سنتیں جماعت سے دور پڑھے جہاں قرأت امام کی آواز اس تک نہ پہنچے اگر سمجھے کہ ادائے سنت کے بعد جماعت نہ پاسکے گا تو سنتیں نہ پڑھے جماعت میں شامل ہو جائے تو اس صورت میں ہر صاحب شعور پر واضح ہے کہ آیہ مبارکہ (وَإِذَا قُرِئَ الْقُرْآنُ) کی کوئی مخالفت نہیں اگر کوئی نمازی مذکورہ صورت کے خلاف چلتا ہے امام سے قریب فجر کی سنتیں پڑھتا ہے تو اس کا اپنا عمل ہے یہ احناف کا موقف نہیں۔

وہابی صاحب کا آٹھواں جواب

علمائے احناف کے نزدیک آیت کے وجوبی حکم میں خطبہ جمعہ بھی شامل ہے اور حدیث میں بھی ہے کہ اگر تو نے اپنے ساتھی کو خاموش رہنے کو کہا تو تو نے لغو کیا۔ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ سامعین کو اختتام نماز تک انصاف کا حکم ہے۔ مگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا فرمان ہے کہ: اِذَا جَاءَ أَحَدُکُمْ یَوْمَ الْجُمُعَةِ وَالْإِمَامُ یَخْطُبُ فَلِیْسَ رُکْعَتَیْنِ جب تم میں سے کوئی اس وقت آئے جب امام خطبہ دے رہا ہو تو آنے والا دو رکعت نماز ادا کرے۔ لہذا جب خطبہ جمعہ میں استماع و انصاف کا حکم ہے مگر حدیث کی رو سے دو رکعت کا حکم اس سے مستثنیٰ ہے اسی طرح سورہ فاتحہ بھی استماع و انصاف کے عمومی حکم سے علیحدہ ہے۔ نام نہاد دین الحق ص ۲۸۵

الجواب اولاً: جب آپ کو اقرار ہے کہ بخاری و مسلم کی حدیث سے بوقت خطبہ امام کو خاموش رہنے کا حکم ثابت ہے تو گویا کہ یہ حدیث آیہ مبارکہ (وَإِذَا قُرِئَ الْقُرْآنُ)

فَاسْتَمِعُوا لَهُ وَأَنْصِتُوا) کی تائید میں ہے تو پھر کیا وجہ ہے کہ تم مسلم کی روایت کو آیت وحدیث دونوں پر ترجیح دے کر بوقت خطبہ امام دو رکعت نفل کو لازم قرار دے رہے ہو جب کہ آیت وحدیث میں خاموش رہنے کا حکم وجوبی ہے اور مسلم کی روایت میں جو دو رکعتوں کا فرمایا یہ امر استنباطی ہے اور وجوب کا از روئے شرع مقتضاء ہے کہ اسے استنباط پر ترجیح دی جائے۔

ثانیاً: آپ کی پیش کردہ مسلم کی حدیث سے آیت کی تخصیص ثابت نہیں ہوتی جو کہ آپ کا اصل مقصد ہے اس لیے کہ حدیث میں احتمال ہے (والامام یخطب) سے مراد وعظ تقریر ہو یا جمعہ کا خطبہ کیونکہ خطبہ منخطب دونوں معنوں میں استعمال ہوتا ہے دیکھیں بخاری جلد اول ۲۳ پر حدیث ہے۔ عن النبی صلی اللہ علیہ والہ وسلم قال قام موسیٰ النبی خطیباً فی بنی اسرائیل فسئل ای الناس اعلم (الخ) نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: موسیٰ نبی بنی اسرائیل میں خطبہ دینے کھڑے ہوئے تو آپ سے پوچھا گیا کہ اس زمانہ کے لوگوں میں سے زیادہ علم والا کون ہے۔ تو یہاں خطبہ سے مراد وعظ و بیان ہے کیونکہ سوال وجواب وعظ و تقریر میں ہوتے ہیں نہ کہ حمد و ثناء والے خطبہ میں۔

ثالثاً: تمہارے پیش کردہ مسلم کی اسی حدیث کی شرح میں علامہ نووی لکھتے ہیں: وقال مالک واللیث وابو حنیفہ والثوری وجمهور السلف من الصحابة والتابعین لا یعلیہما وهو مروی عن عمر و عثمان وعلی رضی اللہ عنہم وحنبلہم الامر بالانصات للامام۔ یعنی امام مالک اور لیث اور امام اعظم ابو حنیفہ اور ثوری اور جمهور سلف صحابہ اور تابعین رضی اللہ عنہم نے فرمایا کہ خطبہ کے وقت دو رکعت نفل نہ پڑھے ان حضرات کی دلیل ہے کہ مقتدی کو امام کی قرأت کے وقت خاموشی کا حکم ہے۔ اس مذکورہ عبارت سے مخالف کا آیت کی تخصیص کا دعویٰ باطل ہوتا اب اس کا نواں جواب ملاحظہ ہو لکھتے ہیں کہ: اصول فقہ حنفی میں لکھا ہے: جب دو آیتوں میں تعارض ہو جائے تو رجوع سنت کی طرف کرنا چاہیے اور مثال میں علمائے احناف نے

مراحت کی ہے کہ وَإِذَا قُرِئَ الْقُرْآنُ فَافْزَعُوا وَمَا تَشِیْرُ مِنَ الْقُرْآنِ کے معارض ہے لہذا احادیث کی طرف رجوع کرنا چاہیے۔ از توضیح ونور الانوار۔ جب یہ صورت حال ہے تو پڑھنے کی روایات کو ترجیح ہوگی کیونکہ یہ صحیح بھی ہیں اور ان میں اثبات بھی ہے اور ملحق صاحب کو اقرار ہے کہ جب ثبوت و نفی میں اختلاف ہو تو ثبوت کو ترجیح ہوتی ہے۔ ۲۸ نہاد ابن الحق ص ۲۸۵

قرآن میں حقیقتاً تعارض نہیں ہوتا

الجواب اولاً: جب قرآن کی دو آیتوں میں حقیقتاً تعارض ہو تو لازماً ان میں سے ایک ناسخ اور دوسری منسوخ ہوگی لیکن جب متعارضین میں سے کسی کا نسخ ثابت نہ ہو تو یہ تعارض محض ظاہر ہوگا نفس الامر میں تعارض نہ ہوگا کیونکہ ایک ہی ذات کے کلام میں تعارض اس کی اس سے بے علمی اور عجز کو لازم کرتا ہے جب کہ اللہ تعالیٰ اس سے پاک و براء ہے۔ اس بیان کا مقصد یہ ثابت کرنا تھا کہ غیر مقلد جو دو آیتوں میں تعارض بتا رہا ہے یہ ظاہر ہے نہ کہ حقیقتاً۔

ثانیاً۔ عام مطلق اور وہ عام جس کا بعض مخصوص ہو چکا ہو ان میں تعارض غیر معتبر ہے لہذا (وَإِذَا قُرِئَ الْقُرْآنُ) عام مطلق ہے اور (فَافْزَعُوا وَمَا تَشِیْرُ) آیت کا بعض مخصوص ہے مقتدی اس سے خاص ہے کیونکہ اس پر قرأت نہیں۔

ثالثاً: مخالفین خود آیت فافزعوا وما تشری کے عموم کے خلاف عمل کرتے ہیں وہ ان کی آیت کی دلالت بالاعتین قرأت پر ہے جب کہ یہ حضرات امام و مقتدی و منفرد سب پر فاتحہ کی تعین و فرضیت کے قائل و فاعل ہیں۔

رابعاً غیر مقلد صاحب نے اصول فقہ کی کتب توضیح ونور الانوار کے حوالہ سے بیان کیا کہ جب تعارض دو آیتوں میں ہو تو حدیث کی طرف رجوع کیا جائے گا اور ان کتب سے تعارض کی مثال بھی ذکر کی کہ وَإِذَا قُرِئَ الْقُرْآنُ۔ اور فافزعوا وما تشری کا آپس میں تعارض ہے مگر خیانتاً یہ ذکر چھوڑ دیا کہ انہیں کتب میں سنت کی طرف رجوع کرنے کے نتیجہ میں۔ وَإِذَا قُرِئَ الْقُرْآنُ کو عموم پر چھوڑا اور فافزعوا وما تشری کا بعض مخصوص

کہا اس حدیث کے مقتضاء کی بناء پر (من كان له امام فقرأه الامام له قراءة) مگر وہابی صاحب الٹی چال چلتے ہوئے اپنے مقصد کی شخص بتا رہا ہے۔

غیر مقلد صاحب کا دسواں جواب

اگر ہم (وَإِذَا قُرِئَ الْقُرْآنُ) کو قراءۃ خلف الامام کیلئے فرض کریں بھی تو احناف کا اس سے دعویٰ ثابت نہیں ہوتا کیونکہ اس سے زیادہ سے زیادہ جہری نمازوں کی جہری رکعتوں میں خلف الامام کی ممانعت ثابت ہوگی سری اور سکنت امام کے وقت قرأت کی ممانعت ہرگز ثابت نہیں ہوتی کیونکہ لغت عرب اور محاورات میں استماع و انصات کے الفاظ اس وقت استعمال ہوتے ہیں جہاں آواز پائی جائے یا سنی جائے یا امکان ہو۔ نام نہاد دین الحق ص ۲۸۵

الجواب اولاً۔ آیہ مبارکہ وَإِذَا قُرِئَ الْقُرْآنُ میں دو حکم دیئے ہیں ایک بوقت قرأت اسے سننے کا دوسرا خاموش رہنے کا جب سری نمازوں میں سننے کا حکم ساقط ہوا تو خاموش رہنے کا حکم اپنے حال پر باقی رہا۔

ثانیاً۔ جیسے قرآن پاک کی آیہ مبارکہ وَإِذَا قُرِئَ الْقُرْآنُ کا حکم عام ہے ایسے ہی اس کی تائید میں حدیث مبارکہ امام کی قرأت مقتدی قرأت ہے (من كان له امام فقرأه الامام له قراءۃ الامام له قراءۃ) اپنے مدلول میں عام ہے یعنی اس میں کچھ تخصیص نہیں کہ سری نمازوں میں امام کی قرأت اس کو کافی نہ ہوگی۔ لہذا اس سے احناف کا موقف ثابت ہوا کہ مقتدی سری و جہری کسی نماز میں قرأت نہ کرے۔ وہابی صاحب کا گمراہ جواب لکھتا ہے قرآن پاک سے معلوم ہوتا ہے کہ اگر قرآن پاک سنتے وقت جائز کلمات زبان سے کہے دیئے جائیں تو جائز ہے ارشاد ہوتا ہے کہ: (إِنَّ الْيَدِينَ أَوْفُوا الْعِلْمَ إِذَا يُنْثَلَى عَلَيْهِمْ يَخْرُونَ لِلْأَذْقَانِ سُجَّدًا وَيَقُولُونَ سُبْحَانَ رَبِّنَا إِنْ سَكَانَ وَغَدَرَتِنَا لَمَفْعُولًا) اور جن کو اس سے پہلے علم دیا گیا جب ان پر قرآن پڑھا جاتا ہے تو ٹھوڑیوں کے بل گر پڑتے ہیں اور بول اٹھتے ہیں کہ ہمارے رب تو پاک ہے یقیناً ہمارے رب کا وعدہ پورا ہو چکا ہے۔ ایک دوسرے مقام پر ارشاد ہوتا ہے: (الَّذِينَ

الَّذِينَ هُمْ الْكِتَابَ مِنْ قَبْلِهِ هُمْ بِهِ يُؤْمِنُونَ وَإِذَا تُلِيَتْ عَلَيْهِمْ آيَاتُ الْكِتَابِ هُمْ يَكْفُرُونَ) وہ جن کو ہم نے اس سے پہلے کتاب دی وہ ایمان لاتے ہیں اس کتاب پر اور جب ان پر آیتیں پڑھی جاتی ہیں تو بول اٹھتے ہیں کہ ہم اس پر ایمان لائے یقیناً یہ کتاب ہمارے رب کی طرف سے حق ہے ہم اس سے پہلے مسلمان تھے۔ (نام نہاد دین الحق ص ۲۸۵)

الجواب اولاً۔ مندرجہ بالا دونوں آیتوں جن کو وہابی صاحب نے بوقت قرأت بعض جائز باتیں کرنے پر دلیل بنایا ان میں سے ایک آیت مجیدہ ہے اور جب آیت مجیدہ پڑھی جائے تو سب پڑھنے سننے والوں پر مجیدہ واجب ہو جاتا سب مجیدہ کرتے ہیں تلاوت کوئی نہیں کر رہا ہوتا اور اس آیت میں بھی اللہ نے ان کے مجیدہ کرنے اور اس حالت میں حمد تسبیح کا ذکر کیا لہذا اس آیت کو وہابی صاحب کا آیت وَإِذَا قُرِئَ الْقُرْآنُ کی تخصیص پر دلیل لانا بے عقلی اور خود ساختہ تفسیر پر جرئت ہے۔ ثانیاً۔ ان آیتوں میں جو کلمات کہنے کا ذکر ہے اس میں دو احتمال ہیں ایک یہ کہ ان کا وقوع بعد از تلاوت ہو دوسرا یہ کہ ان کا وقوع درمیان تلاوت ہوا ہو اور اہل اصول کے نزدیک قاعدہ مسلمہ ہے کہ جب احتمال آجائے استدلال باطل ہو جاتا ہے۔ ثالثاً ان دونوں آیتوں میں ان اہل کتاب کا ذکر ہے جنہوں نے اسلام کی حقانیت کو قبول کیا تو ان کا فعل ہم اپنے مقصد کے لیے حجت نہیں بنا سکتے اب جاء الحق سے تفسیر خازن کا حوالہ اور اس پر غیر مقلد کے اعتراضات اور ان کے جوابات ملاحظہ ہوں: عن ابن مسعود انه سمع ناساً يقرءون مع الامام فلما انصرف قال اما ان لكم ان تفقهوا وَإِذَا قُرِئَ الْقُرْآنُ۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے بعض لوگوں کو امام کے ساتھ قرآن پڑھتے سنا جب فارغ ہوئے تو فرمایا کہ کیا ابھی تک یہ وقت نہ آیا کہ تم اس آیت کو سمجھو (وَإِذَا قُرِئَ الْقُرْآنُ) اس پر

غیر مقلد کا اعتراض

اولاً۔ اس کی سند میں الحارثی ہے اور الحارثی کی نسبت سے عبدالرحمن بن محمد اور

عبدالرحیم معروف ہیں۔ آگے چل کر وہابی صاحب لکھتا ہے۔ جب یہ بات طے ہوگئی کہ زیر بحث روایت میں عبدالرحمن الحارثی ہے تو گو یہ ثقہ ہے لیکن زبردست مدلس ہیں امام احمد بن حنبل۔ امام عجل علی اور حافظ ابن حجر نے ان کی تدلیس کی صراحت کی ہے۔ تہذیب ج ۶ ص ۲۶۶۔ و تقریب ۱۵۷ طبقات المدلسین ص ۴۰ مقدمہ فتح الباری ص ۴۹۳ اور زیر بحث روایت سماع کی تصریح کے بغیر ہے۔ نام نہاد دین الحق ص ۲۷۷

الجواب: بعون اللہ وهو الموفق للصواب

اولاً۔ الحافظ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ نے تقریب التہذیب میں عبدالرحمن الحارثی کے متعلق محدثین کے اقوال نقل کیے ہیں جن میں اکثر کے نزدیک یہ ثقہ ہیں جیسا کہ مخالف کو بھی اس کا اقرار ہے۔

ثقلہ کے تدلیس معتبر ہے

ثانیاً: ثقہ کی تدلیس مقبول ہے۔

چالٹ۔ اگر آپ اس روایت کو نہ ماننے پر اصرار ہیں تو ہم تمہیں کتب حدیث میں سے معتبر کتاب موطا امام محمد کی روایت دیکھاتے ہیں جو ثقہ رواۃ سے مروی ہے جس میں عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ کا واضح فتویٰ ہے۔

امام کے پیچھے مقتدی خاموش رہے

قَالَ مُحَمَّدٌ أَخْبَرَنَا سُفْيَانُ بْنُ عُيَيْنَةَ عَنْ مُنْصُورِ بْنِ مُعْتَمِرٍ عَنْ
وَائِلٍ قَالَ سَمِعَ عَبْدَ اللَّهِ بْنَ مَسْعُودٍ عَنْ قِرَاءَةِ خَلْفِ الْإِمَامِ قَالَ
أَنْصَتُ فَإِنَّ فِي الصَّلَاةِ شُغْلًا سَيُخَفِّفُكَ ذَلِكَ الْإِمَامُ۔

یعنی عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے امام کے پیچھے قرأت کا حکم پوچھا گیا تو فرمایا خاموش رہا کرو بے شک نماز میں مشغولیت چاہیے وہ امام تجھے کفایت کرے گا۔ وہابی صاحب زیر بحث حدیث پر چوتھے اعتراض کے ضمن میں لکھتے ہیں۔ روایت کے الفاظ اس بات کا ثبوت ہیں کہ پڑھنے والوں نے بلند آواز سے پڑھا تھا کیونکہ راوی کے الفاظ ہیں۔ سمعنا یعنی لوگوں نے قرأت کرتے سنا اور سنا بھی جانتا ہے جب بلند

آواز سے پڑھا جائے اور یہ صورت منازعت کی ہے جو کہ بلاشبہ منع ہے۔ نام نہاد دین الحق ص ۲۷۸

الجواب اولاً۔ وہابیوں کو چاہیے کہ اپنے اس صاحب کی علمی یتیمی پر ماتم کریں جس بیچارے کو فاعل و مفعول کی تمیز بھی نہیں اسی لیے ناساً مفعول کا فاعل جیسا ترجمہ کر رہا ہے۔ یعنی لوگوں نے سنا جب کہ اس کا معنی ہے عبداللہ ابن مسعود نے لوگوں کی قرأت کو سنا نیز ہر ابتدائی طالب علم بھی اس قاعدہ کو جانتا ہے کہ ہر فاعل مرفوع ہوتا ہے اور ہر مفعول منصوب جب کہ ناساً منصوب ہے جس سے اس کا مفعول ہونا واضح ہے۔

ثانیاً: وہابی صاحب منطق کہ سنا بھی جانتا ہے جب کہ بلند آواز سے پڑھا جائے۔ فقیر کہتا ہے کہ آپ کہے چکے ہیں کہ بلند آواز سے پڑھنا بلاشبہ منع ہے کیونکہ یہ منازعت کی صورت ہے پھر جن سے ابن مسعود نے سنا وہ صحابہ یا تابعین ہوں گے۔ تو کیا ان کو اس منع صورت کا علم نہیں تھا اور آپ کو اس کا علم ہو گیا اصل بات یہ ہے کہ آپ اس سے اپنا مطلب پورا کرنا چاہتے ہیں کہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے قرأت مطلق سے مقتدی کو نہیں منع کیا۔ بلکہ ہا آواز بلند پڑھنے سے منع کیا ہے اور تمہارا یہ مطلب ایسی منطق سے پورا نہیں ہو سکتا کیونکہ جو نمازی پاس کھڑے ہوں ان کا پڑھنا معلوم ہو جاتا ہے اگرچہ الفاظ سمجھ نہ آئیں۔ نیز جب ہم نے موطا امام محمد کے حوالہ سے عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ کا واضح فتویٰ لکھ دیا کہ آپ نے فرمایا:

امام کے پیچھے خاموش رہا کرو امام کی قرأت ہی کفایت کرتی ہے تو اب مقتدی کی قرأت کے منع میں کچھ ابہام باقی نہیں رہا۔

غیر مقلد کا پانچواں اعتراض۔

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے یہاں آیت کا شان نزول نہیں بتایا بلکہ اس سے استدلال کیا ہے۔ نام نہاد دین الحق ص ۲۷۸

الجواب: معلوم ہوتا ہے کہ وہابی صاحب اپنے مذہب کو بچانے کے لیے عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ پر آیت سے غلط استدلال کرنے کا الزام چسپاں کرنا چاہتے ہیں

کیونکہ اس کی تحریر کا واضح مقصد یہی ہے کہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے آیہ (وَإِذَا قُرِئَ الْقُرْآنُ) سے جو استدلال کیا ہے قرأت خلف الامام کے منع پر وہ شان نزیل کے خلاف ہے حالانکہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ جلیل القدر مجتہد فقیہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی خدمت اقدس میں حاضر رہنے والے صحابی ہیں۔

وہابی صاحب کا چھٹا اعتراض

فصل اول میں صحیح سند کے ساتھ گزر چکا کہ حضرت عبد اللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ سری نمازوں میں قرأت خلف الامام کے قائل تھے اور زیر بحث اثر بالفرض صحیح بھی تسلیم کر لیا جائے اور مقتدی کی قرأت کو جہر پر محمول نہ کیا جائے تو زیادہ سے زیادہ جہری میں قرأت نہ کرنے کا ثبوت ہے جب کہ مقتدی امام کی قرأت سن رہا ہوں امام ابن جریر نے بھی اس اثر کو اس قول کے تحت ذکر کیا ہے ان کے الفاظ ہیں: فَقَالَ بَعْضُهُمْ ذَلِكَ حَالُ مَكُونِ الْمُصَلِّي فِي الصَّلَاةِ خَلْفَ الْإِمَامِ يَأْتِيهِ بِهِ وَهُوَ يَسْمَعُ قِرَاءَةَ الْإِمَامِ۔ (تفسیر ابن جریر ج ۹ ص ۱۰۳)

بعض نے کہا ہے کہ یہ آیت اس وقت میں ہے جب نمازی امام کے پیچھے اس کی اقتداء کر رہا ہو امام کی قرأت سن رہا ہو۔ نام نہاد دین الحق ص ۲۸۹

الجواب اولاً: ابن مسعود رضی اللہ عنہ کے اثر کی صحت سند کا دعویٰ وہابی صاحب اس لیے کر رہا ہے کہ وہ اس کے اپنے مذہب کی دلیل ہے ورنہ اس جگہ نہ تو اس صاحب نے اثر کی پوری سند بیان کی اور نہ اس کی صحت پر کسی محدث کا کوئی قول بیان کیا۔

ثانیاً: اس صاحب کا یہ کہنا کہ زیر بحث اثر کو بالفرض صحیح بھی تسلیم کر لیا جائے اور مقتدی کی قرأت کو جہر پر محمول نہ کیا جائے تو زیادہ سے زیادہ اس سے جہری میں قرأت نہ کرنے کا ثبوت ہے جب کہ مقتدی امام کی قرأت سن رہا ہو۔ اس کی تائید میں ابن جریر کے حوالہ سے بعض کا قول پیش کرنا جو اوپر لکھا جا چکا ہے۔

تاریخ حضرات! اس صاحب کی مذکورہ عبارت دیکھ کر بخوبی جان جائیں گے کہ یہ شخص کسی مقصد کی تکمیل کے درپے ہے۔

نو تو غیر مقلدین احناف پر الزام

دیتے ہیں کہ یہ رائے و قیاس پر چلتے ہیں اور خود کس قدر ہیر پھیر سے اپنی رائے کو پیش کیا کہ زیادہ سے زیادہ اس سے جہر میں قرأت نہ کرنے کا ثبوت ہے آگے ایک اور لہ لگا دی کہ جب مقتدی امام کی قرأت سن رہا ہو پھر چاہیے تھا کہ اہل حدیث ہونے کا دعویدار اس پر قرآن و حدیث پیش کرنا اس کی بجائے جریر سے احتمال پیش کر دیا اس کی وجہ یہ ہے کہ جب ان نجدیوں نے اپنا مقصد پورا کرنا ہو تو پھر جو بھی ہاتھ لگے ان کے لیے دلیل ہے۔

ثالثاً: یہ صاحب تو قیاس آرائیوں سے ابن مسعود رضی اللہ عنہ کے ارشاد سے قرأت خلف الامام کے مطلق منع کو مقید بالجہر بنانے کے درپے ہے مگر ہم بفضلہ تعالیٰ و کرم حبیبہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم عبد اللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ کے واضح عمل سے قرأت خلف الامام کے منع پر عموم ثابت کرتے ہیں۔

حضرت ابن مسعود امام کے پیچھے قرأت نہیں کرتے تھے

موطا امام محمد ص ۱۰۰ پر ہے کہ: قَالَ مُحَمَّدٌ أَخْبَرَنَا مُحَمَّدُ بْنُ أَبَانَ بْنِ صَالِحٍ الْقُرَشِيُّ عَنْ حَمَّادٍ عَنْ إِبْرَاهِيمَ النَّخَعِيِّ عَنْ عَلْقَمَةَ بْنِ قَيْسٍ أَنَّ عَبْدَ اللَّهِ بْنَ مَسْعُودٍ كَانَ لَا يَقْرَأُ خَلْفَ الْإِمَامِ فِيمَا يُجْهَرُ فِيهِ وَفِيمَا يُخَافُ فِيهِ فِي الْأَوَّلِينَ وَلَا فِي الْآخِرِينَ۔ الخ (حضرت علقمہ بن قیس سے ہے کہ بے شک عبد اللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ امام کے پیچھے قرأت نہیں کرتے تھے نہ اس نماز میں جس میں قرأت بلند کی جاتی ہے اور نہ اس میں جس میں آہستہ کی جاتی ہے نہ پہلی دو رکعتوں میں اور نہ پچھلی دو میں۔ جاء الحق میں ملتی احمد یار خاں نعیمی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں: تنویر القیاس من تفسیر ابن عباس شریف میں اسی آیت کی تفسیر میں ہے۔ (وَإِذَا قُرِئَ الْقُرْآنُ) فِي الصَّلَاةِ مَكْنُونَةً فَاسْتَمِعُوا لَهُ إِلَى قِرَاءَتِهِ وَانصِتُوا لِقِرَاءَتِهِ) جب فرض نماز میں قرآن پڑھا جائے تو اس کی قرأت کو کان لگا کر سنو اور قرآن پڑھے جاتے وقت خاموش رہو۔ اس پر غیر مقلد کے اعتراض۔ اولاً یہ مسلم ہے کہ مذکورہ عبارت تنویر

المقیاس کی ہے۔ مگر سوال ہے کہ کیا مذکورہ تفسیر کو ابن عباس رضی اللہ عنہ نے لکھا ہے اگر نہیں یقیناً نہیں کیونکہ اس کا سلسلہ سند وضعی ہے اس لیے کہ اس کی سند میں کبھی راوی ہے جو کہ مشہور کذاب ہے۔ مولوی احمد رضا فاضل بریلوی نے لکھا ہے کہ کبھی کا نہایت شدید الضعف ہونا کسے نہیں معلوم؟ آئمہ شان نے اسے متروک بلکہ منسوب الی الکذب تک کہا ہے۔ اور خود مفتی صاحب فرماتے ہیں کہ تفسیر اگر روایت صحیحہ سے ہے تو معتبر ورنہ غیر معتبر۔ (جاء الحق ص ۱۱-۱۲)

الجواب اولاً۔ تفسیر ابن عباس شریف کے بعض مقامات پر کسی کو اعتراض ہو سکتا ہے مگر سب تفسیر کو ہی وضعی (من گھڑت) کہنا درست نہیں کیونکہ علمائے امت اس سے استدلال کرتے آئے ہیں نیز اس میں مرویات دوسری تفاسیر سے مطابقت بھی رکھتی ہیں۔

ثانیاً۔ اگر آپ تفسیر ابن عباس کی روایت کو قبول نہ کرنے پر بضد ہیں تو ہم تم کو اس کے علاوہ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے قرأت خلف الامام کے منع پر واضح فتویٰ دیکھا دیتے ہیں۔ چنانچہ شبیر احمد عثمانی دیوبندی رحمہ اللہ شرح مسلم ج ۱ ص ۲۵ پر لکھتے ہیں۔

امام کے پیچھے قرأت نہ کرو ابن عباس کا ارشاد

عَنْ أَبِي حَبْرَةَ قَالَ قُلْتُ لِابْنِ عَبَّاسٍ أَقْرَأُ وَالْإِمَامَ بَيْنَ يَدَيْهِ قَالَ لَا۔

ابو حبرہ سے ہے کہ میں نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے پوچھا میں قرأت کروں جب کہ امام میرے آگے ہو فرمایا نہ پڑھنا۔

ثالثاً۔ امام الشاہ احمد رضا خاں فاضل بریلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا جو حوالہ غیر مقلد نے ان کے فتاویٰ رضویہ سے کبھی کے متعلق دیا اس کو پورا بیان نہیں کیا گیا لیکن اس کا حاصل یہ کہ آئمہ فقہاء و محدثین رضی اللہ عنہم نے کبھی کی بابت متروک و مقہوم بالکذب کہا اس کے باوجود عامہ کتب سیرت و تفاسیر میں ان کی اور ان کی امثال روایات بکثرت موجود ہیں اور علمائے دین انہیں بلا انکار نقل کرتے آتے ہیں۔ مگر وہابی نے اپنا مقصد پورا کرنے کو خیانتاً فتاویٰ رضویہ شریف سے علمائے دین کا قبول اور نقل کرنا بیان نہ کیا۔

غیر مقلد کا دوسرا اعتراض۔ خود حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے اس کے خلاف منقول ہے کہ: نَزَلَتْ فِي رَفْعِ الْأَصَوَاتِ خَلْفَ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ۔ یعنی یہ آیت (وَإِذَا قُرِئَ الْقُرْآنُ) رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے پیچھے پڑھنے کی ممانعت پر نازل ہوئی۔ نام نہاد دین الحق ص ۲۷۹۔ الجواب اولاً۔ وہابی جی آپ یہ بتائیں مذکورہ اثر مفتی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی زیر بحث دلیل کے خلاف کیسے ہوا کیا اس میں امام کے پیچھے پڑھنے کا ثبوت ہے؟ جھوٹ بولتے ہوئے کچھ شرم بھی کر لیا کرو۔

سبب خاص سے حکم خاص نہیں ہوتا

ثانیاً مسلمہ اصول ہے کہ سبب نزول خاص ہونے سے حکم خاص نہیں ہوتا بلکہ اعتبار لفظ کے عموم کا ہوتا ہے جب کہ آیت (وَإِذَا قُرِئَ الْقُرْآنُ) میں اذان لفظ عام ہے یعنی جب بھی قرآن پڑھا جائے اسے کان لگا کر سنو اور خاموش رہو۔ وہابی صاحب کا تیسرا اعتراض۔ فصل اول میں گزر چکا ہے کہ۔ ابن عباس رضی اللہ عنہ فاتحہ خلف الامام کے قائل تھے اور سری نمازوں میں ان کے مسلک کو تو خود اکابر احناف نے تسلیم کیا ہے مثلاً طحاوی اور علامہ سرفی حنفی فرماتے ہیں کہ: وَمَذْهَبُ مَالِكٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ مَرُوءِي عَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ قَالَ رَجُلٌ سَأَلَهُ أَقْرَأُ خَلْفَ الْإِمَامِ فَقَالَ لَهُ إِنَّمَا فِي الظُّهْرِ وَالْعَصْرِ۔ نام نہاد دین الحق ص ۲۸۰

الجواب اولاً۔ کسی کی طرف منسوب روایت کو بیان کرنا یہ ثابت نہیں کرتا کہ مصنف نے اس کے مذہب کو تسلیم کر لیا ہے محدثین و فقہاء کا طریقہ ہے کہ وہ اپنی کتب میں جو مضمون لکھتے ہیں اس مضمون کے متعلقہ تمام مختلف احادیث و آثار اور مذاہب آئمہ کو بیان کرتے ہیں لہذا وہابی صاحب کا یہ کہنا غلط ہے کہ اکابر احناف نے ابن عباس رضی اللہ عنہما کے مسلک سری نمازوں میں خلف الامام فاتحہ پڑھنے کو تسلیم کر لیا ہے۔ ثالثاً۔ طحاوی کے جس ص ۱۴۱ اور ج ۱ سے غیر مقلد نے ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول لیا ہے اسی پر ابن عباس رضی اللہ عنہما سے دو مرفوع حدیثیں امام کے پیچھے قرأت کے عدم جواز کو ثابت کرتی ہیں اور ابن عباس کا اپنا ارشاد قرأت خلف الامام کی وعید پر ہے (ایک

شخص نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے پوچھا کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم امام کے پیچھے قرأت کرتے تھے؟ فرمایا نہیں اس نے کہا شاید آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم اپنے دل میں پڑھتے ہوں؟ حضرت سعید کی روایت میں ہے کہ فرمایا نہیں۔

امام کے پیچھے قرأت پر ابن عباس کی ناراضگی

دوسری روایت میں ہے کہ ابن عباس رضی اللہ عنہ سے کہا گیا کہ لوگ ظہر و عصر میں امام کے پیچھے قرأت کرتے ہیں فرمایا اگر مجھے ان پر قابو ہو تو میں ان کی زبانیں کاٹ دوں بے شک رسول اللہ قرأت کرتے ہیں تو ان کی قرأت ہماری قرأت اور ان کا سکوت ہمارا سکوت ہے اب غور کریں کہ غیر مقلد کو طحاوی سے یہ مرفوع حدیثیں تو نظر نہ آئیں مگر اپنے مذہب کی دلیل نظر آگئی یہ کیسی عظیم خیانت ہے۔ مفتی احمد یار خاں نعیمی رحمۃ اللہ علیہ نے قرأت خلف الامام کے منع پر آیہ مبارکہ تفاسیر کے بعد احادیث سے دلائل پیش کیے ملاحظہ ہوں:

حدیث نمبر ۱: مسلم شریف باب السجود والتملاؤۃ میں عطاء ابن یسار سے مروی ہے: اِنَّهٗ سَأَلَ زَيْدَ ابْنَ ثَابِتٍ عَنِ الْقِرَاءَةِ مَعَ الْإِمَامِ فَقَالَ لَا قِرَاءَةَ مَعَ الْإِمَامِ فِي شَيْءٍ۔ انہوں نے زید بن ثابت صحابی رضی اللہ عنہ سے امام کے ساتھ قرأت کرنے کے متعلق پوچھا تو آپ نے فرمایا کہ امام کے ساتھ بالکل قرأت جائز نہیں۔ وہابی صاحب اس کے جواب میں لکھتے ہیں کہ: بلاشبہ یہ سند کے لحاظ سے صحیح ہے مگر یہ مانعاً فاتحہ یا ترک جہر پر محمول ہے تاکہ احادیث صحیحہ مرفوعہ اور اس اثر کے درمیان موافقت ہو جائے۔

نام نہاد دین الحق ص ۳۰۶

الجواب۔ جب وہابی صاحب کو حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کے فتویٰ کی صحت کا اقرار ہے تو پھر انصاف کا تقاضا یہ تھا کہ اس کے مدلول یہ یعنی امام کے پیچھے منع قرأت کو بھی تسلیم کر لیا جاتا مگر یہ انصاف چونکہ وہابی مذہب کے لیے مضر تھا اس لیے گوارہ نہیں ہوا لہذا واضح فتویٰ میں اپنی رائے سے احتمالات ظاہر کر کے اپنے مذہب کے تابع کروایا۔

خود بدلتے نہیں دین بدل دیتے ہیں

یہ ہیں وہ لوگ جو خود تو بدلتے نہیں دین بدل دیتے ہیں اگر یہ بات نہیں تو پھر وہابی صاحب بتائیں کہ زید بن ثابت کے مذکورہ ارشاد میں کونسا لفظ ہے جو امام کے پیچھے مقتدی کے فاتحہ پڑھنے کو مستثنیٰ کر رہا ہے نیز یہ کونسا قرینہ ہے جو امام کے جہر کے وقت پر محمول کرنے پر دلالت کر رہا ہے اگر یہ نہیں اور یقیناً نہیں تو پھر اللہ اور اس کے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے دین کو اپنے تابع کرنے کی کوشش کرنا۔ بے دینی نہیں تو اور کیا ہے۔

ثانیاً۔ تم نے یہ خطرہ محسوس کیا کہ مذکورہ اثر کو اس کے اصل مدلول سے نہ پھیرا جائے تو بقول تمہارے احادیث صحیحہ مرفوعہ کی مخالفت لازم آتی ہے لیکن یہ خیال دل میں نہ آیا کہ اس کا مدلول آیہ بارکہ (وَإِذَا قُرِئَ الْقُرْآنُ) کے مدلول کے مطابق ہے اسے بدلنے سے مذکورہ آیت کے مطلق کو مقید کرنا لازم آتا ہے۔

ثالثاً ذریعہ بحث قول میں (لَا قِرَاءَةَ مَعَ الْإِمَامِ) میں لافنی جنس کا ہے جس کا مفاد ہے کہ قرآن سے کچھ بھی امام کے پیچھے نہ پڑھا جائے اور فنی شئیء مزید حکم کو مؤکد کر رہا ہے۔ لہذا غیر مقلد صاحب کا حدیث کے خلاف جیلہ بہانہ کرنا حقیقت میں حدیث کا ہی انکار کرنا ہے۔

جاء الحق سے حدیث نمبر ۲

مسلم شریف باب التمسد میں ہے۔ فَقَالَ لَهُ أَبُو بَكْرٍ فَحَدَّثْتُ أَبِي هُوَ يُرَوِّعُ فَقَالَ هُوَ صَحِيحٌ يَعْنِي وَإِذَا قُرِئَ فَانْقَضُوا۔ ابو بکر نے سلمان سے پوچھا کہ ابو ہریرہ کی حدیث کیسی ہے تو آپ نے فرمایا کہ بالکل صحیح ہے یعنی یہ حدیث کہ جب امام قرأت کرے تو تم خاموش رہو۔ واضح رہے کہ غیر مقلد صاحب نے مسلم شریف کی مذکورہ صحیح حدیث کا کوئی جواب نہیں دیا جب کہ وہابی قوم کو مسلم ہے کہ اگر کسی مسئلہ پر ایک صحیح مرفوع حدیث پائی جائے تو اس پر عمل واجب ہے جیسا کہ غیر مقلدوں کے حکیم محمد صادق سیالکوٹی صاحب اپنی کتاب صلوٰۃ الرسول کے ص ۲۰۴ پر لکھتے ہیں کہ: رسول اللہ

صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کا صرف ایک حکم ہی جو صحیح سند سے ثابت ہو اُمت کے لیے واجب العمل ہو جاتا ہے۔ تو اس مقام پر وہابی صاحب نے جان چھوڑانے کو اس حدیث کا ذکر تک نہ کیا: یہ کر توت ہیں ان نام نہاد اہل حدیثوں کے جاء الحق سے۔

حدیث نمبر ۳

ترمذی شریف نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت کی۔ مَنْ صَلَّى رَكْعَةً لَمْ يَفْرَعْ فِيهَا بِأَمِّ الْقُرْآنِ فَلَمْ يَصِلْ إِلَّا أَنْ يَكُونَ وَرَاءَ الْإِمَامِ۔ هَذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ (جو کوئی نماز پڑھے اس میں سورۃ فاتحہ نہ پڑھے اس نے نماز ہی نہ پڑھی مگر یہ کہ امام کے پیچھے ہو یعنی تب نہ پڑھے۔ یہ حدیث حسن صحیح ہے۔

غیر مقلد کا صحیح حدیث کے جواب سے فرار

مخفی نہ رہے کہ جامع ترمذی کی مذکورہ حسن صحیح حدیث جو کہ اصول کے اعتبار سے محض صحیح سے قوت میں ارفع ہے۔ غیر مقلد نے اس کا کوئی جواب نہیں دیا جو کہ اس حدیث کے جواب سے وہابی صاحب عاجزی و ناکامی کا واضح ثبوت ہے۔

جاء الحق سے حدیث نمبر ۴

نسائی شریف میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

جب امام پڑھے تو تم خاموش رہو

قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَآلِهِ وَسَلَّمَ إِنَّمَا جُعِلَ الْإِمَامُ لِيُؤْتَمَّ بِهِ فَإِذَا كَبَّرَ فَكَبِّرُوا وَإِذَا قَرَأَ فَانصِتُوا۔ حضور نے فرمایا کہ امام اس لیے مقرر کیا گیا ہے کہ اس کی پیروی کی جائے تو جب وہ تکبیر کہے تو تم بھی تکبیر کہو اور جب وہ قرأت کرے تو تم خاموش رہو۔ مفتی صاحب فرماتے ہیں کہ ہم حدیث نمبر ۲ میں مسلم شریف کے حوالہ سے بیان کر چکے ہیں کہ حضرت ابو ہریرہ کی یہ حدیث صحیح ہے۔ غیر مقلد کا اس پر پہلا اعتراض۔ اس کی سند میں محمد بن عجلان ہے اور یہ مدلس ہے۔ (ہم نہاد وین الحق ص ۲۵۱)

الجواب اولاً: اگر نسائی کی مذکورہ حدیث کی سند پر آپ کو اعتراض ہے تو حضرت

ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی یہی حدیث مسلم شریف کے حوالہ سے گزری اور امام مسلم نے خود اس کی سند کو صحیح کہا جس کا جواب ہی آپ لوگ ہضم کر گئے کہ کوئی سوال ہی نہ کر دے وہابی جی اس صحیح حدیث کا کیا تصور ہے اسے تم کیوں نہیں مانتے اسے ہی مان لو مگر ایسا کام تم غیر مقلدوں سے کب ممکن جو قرآن و حدیث کو اپنے خود ساختہ مذہب کے تابع کرنے کی کوشش میں ہوں۔

غیر مقلد اپنے گھر کے بزرگ کی ہی مان لیں

ثانیاً: اگر آپ اور کسی کی ماننے کو تیار نہیں تو اپنے گھر کے بزرگ شوکانی کی ہی مان لو زیر بحث حدیث کے متعلق امام مسلم کے صحیح کہنے کو وہ بھی مانتے ہیں چنانچہ وہ اپنی نیل الاوطار ج ۲ مطبع بروکس کے ص ۲۲ پر لکھتے ہیں: عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَآلِهِ وَسَلَّمَ قَالَ إِنَّمَا جُعِلَ الْإِمَامُ لِيُؤْتَمَّ بِهِ فَإِذَا كَبَّرَ فَكَبِّرُوا وَإِذَا قَرَأَ فَانصِتُوا۔ رَوَاهُ الْحَفْصَةُ إِلَّا الْقُرْمِذِيُّ وَقَالَ مُسْلِمٌ هُوَ صَحِيحٌ (ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ بے شک رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا امام اس لیے بنایا جاتا ہے کہ اس کی پیروی کی جائے جب وہ تکبیر کہے تم بھی تکبیر کہو اور جب وہ قرأت کرے تم خاموش رہو اس حدیث کو ترمذی کے سوا باقی پانچوں صحاح نے روایت کیا اور مسلم نے کہا حدیث صحیح ہے۔

جاء الحق سے حدیث نمبر ۵

طحاوی شریف نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت کی: أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَآلِهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ كَانَ لَهُ إِمَامٌ فَقِرْأَةُ الْإِمَامِ لَهُ قِرْأَةٌ۔ جس کا کوئی امام ہو تو امام کی تلاوت اس کی تلاوت ہے۔

وہابی صاحب نے طحاوی کی مذکورہ حدیث کا کوئی جواب نہیں دیا لیکن جواب نہ دینے پر دلیل یہ بتائی کہ یہی حدیث مفتی صاحب نے اسی کے آگے موطا امام محمد کے حوالے سے پیش کی ہے اور یہ چونکہ متناوہ سند ایک ہی حدیث ہے ہم اس کا جواب دیتے ہیں۔

جاء الحق سے حدیث نمبر ۱۰ تا ۱۰۰

امام محمد نے موطا شریف میں امام ابو حنیفہ عن موسیٰ ابن ابی عائشہ عن عبد اللہ ابن شداد عن جابر ابن عبد اللہ سے روایت کی ہے۔ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَآلِهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ كَانَ لَهُ إِمَامٌ فَقَرَأَهُ الْإِمَامُ لَهُ قِرَاءَةً قَالَ مُحَمَّدُ بْنُ مُنْبِغٍ وَابْنُ الْهَمَامِ هَذَا الْإِسْنَادُ صَحِيحٌ عَلَى شَرْطِ الشَّيْخَيْنِ۔ حضور نے فرمایا کہ جس کا امام ہو تو امام کی تلاوت اس کی تلاوت ہے۔ محمد بن منبغ اور امام ابن ہمام نے فرمایا کہ یہ اسناد صحیح ہے۔ اور مسلم بخاری کی شرط پر ہے۔ یہ حدیث امام احمد۔ ابن ماجہ دارقطنی۔ تہذیبی نے بھی روایت کی ہے (صحیح ابیہاری) اس پر غیر مقلد شدید اعتراضات کرتے ہوئے پہلے اعتراض کے تحت لکھتے ہیں:

اس کی سند میں امام ابو حنیفہ ہیں گو وہ بہت بڑے امام ہیں لیکن ان کی روایات پر کلام ہے اور محدثین کرام نے انہیں سنی حفظ قرار دیا کہ وہ آخر انسان تھے اللہ تعالیٰ کی ذات نہ تھے کہ جن سے غلطی اور نسیان و بھول کا صدور ناممکن ہے۔ مگر افسوس کہ فریق ثانی شاید یہ سمجھ بیٹھا ہے کہ ان سے غلطی نہیں ہو سکتی اس لیے وہ اس بحث کے دوران محدثین عظام کو برا بھلا کہے جاتا ہے۔ حالانکہ کسی بزرگ کا حافظہ کمزور ہونے سے اس کی بزرگی رفعت مقام میں قطعاً کوئی فرق نہیں آتا۔ (ہم نہادین الحق ص ۲۹۴)

الجواب اولاً: مفتی احمد یار خاں نعیمی رحمۃ اللہ علیہ نے مذکورہ مرفوع حدیث کو پانچ کتب احادیث کے حوالہ سے پیش کیا اور دو محدثوں سے اس کی صحت بھی بیان کی اب انصاف کا تقاضا تھا کہ غیر مقلد اس کی صحت کو تسلیم کر لیتا مگر اس نے مذہبی تعصب کا ثبوت دیا اور اس سے کیزے نکالنے شروع کر دیے اور صحیح حدیث کو ضعیف اور ناقابل عمل باور کرنے کی کوشش کی ہم پہلے بفضلہ تعالیٰ زیر بحث حدیث کی صحت کو مزید ثابت کرتے ہیں۔

امام کے پیچھے قرأت کے عدم جواز کی حدیث کی صحت پر شواہد

اول۔ حاشیہ طحاوی ج ۱ ص ۱۴۹ پر ہے رَوَاهُ الْإِمَامُ مُحَمَّدُ بْنُ الْحَسَنِ فِي

مَوْطَانِهِ عَنْ أَبِي حَنِيفَةَ عَنْ مُوسَى بْنِ أَبِي عَائِشَةَ إِلَى آخِرِ السَّنَدِ بَلْفِظِ مَنْ صَلَّى خَلْفَ الْإِمَامِ فَإِنَّ قِرَاءَةَ الْإِمَامِ لَهُ قِرَاءَةٌ۔ قَالَ مُحَمَّدُ بْنُ مُنْبِغٍ وَالْإِمَامُ الْهَمَامُ هَذَا الْإِسْنَادُ صَحِيحٌ عَلَى شَرْطِ الشَّيْخَيْنِ۔ یعنی اسے روایت کیا امام محمد بن حسن نے اپنی موطا میں روایت کیا امام ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ کی سند سے جس کے لفظ ہیں کہ جس نے امام کے پیچھے نماز پڑھی تو امام کی قرأت اس کی قرأت ہے۔ محمد بن منبغ اور امام ہمام نے کہا یہ سند شیخین کی شرط پر صحیح ہے۔

دوم۔ اس کو امام محمد نے موطا میں ایک سند سے روایت کیا جس میں امام اعظم ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ نہیں ہیں یہی حدیث مرفوعاً ابن ماجہ ص ۶۱ پر موجود ہے اور یہی مسند امام احمد بن حنبل کی ج ۳ ص ۳۳۹ پر موجود ہے اور جامع المسانید ج ۱ ص ۳۳۲ پر اسی حدیث کے متعلق ہے۔ رواہ ابو محمد بخاری بِالسَّنَدِ الْأَوَّلِ عَنْ جَمَاعَةٍ۔ یعنی امام بخاری نے اسے ایک جماعت سے روایت کیا ہے اول لفظوں کے ساتھ۔ اسے امام بخاری رضی اللہ عنہ کا ایک جماعت سے روایت کرنا اس کی صحت کی دلیل ہے۔

سوم۔ علامہ محمد بن علی نیوی نے اپنی آثار السنن کے ص ۱۱۳ پر لکھا ہے ملاحظہ ہو: وَعَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللَّهِ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ كَانَ لَهُ إِمَامٌ فَقَرَأَهُ الْإِمَامُ لَهُ قِرَاءَةً۔ رَوَاهُ الْحَافِظُ أَحْمَدُ بْنُ مُنْبِغٍ فِي مُسْنَدِهِ وَمُحَمَّدُ بْنُ الْحَسَنِ فِي الْمَوْطَا وَالطَّحَاوِيِّ وَالذَّارِقُطْنِيُّ وَإِسْنَادُهُ صَحِيحٌ۔ حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ سے ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: جس کا امام ہو تو امام کی قرأت اس کی قرأت ہے۔ اسے حافظ احمد بن منبغ نے اپنی مسند میں روایت کیا اور محمد بن حسن شیبان نے موطا میں اور طحاوی نے اور دارقطنی نے اور اسناد اس کی صحیح ہے۔ ماننے والے کو اس قدر شہادتیں حدیث کی صحت پر کافی ہیں۔ اب رہا غیر مقلد کا

امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کی نقص شان پر کلام اور ان کے خلاف کچھ اوجھلانا اور کہنا کہ وہ ضعیف ہیں ان کی روایات میں کلام ہے محدثین نے انہیں سنی الحفظ (خراب حافظ) والا وغیرہ وغیرہ کہا۔ الجواب بعون اللہ الوہاب۔ اولاً۔ وہابی جی کا دوغلا پن دیکھیں کہ پہلے تو امام صاحب کو بہت بڑا امام کہے دیا پھر ان کے عیب و نقص مگن دیے نیز ہم اگر انہیں امام اعظم بڑا امام کہیں تو غیر مقلدین برسنے اور اعتراض کرنے لگیں کہ دیکھیں جی امام اعظم تو اللہ کے رسول اللہ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہیں اور احناف ابوحنیفہ کو امام اعظم کہتے ہیں مگر اب ان کے اپنے غیر مقلد صاحب انہیں نہ صرف بڑا بلکہ بہت بڑا امام کہے رہے ہیں لیکن اس کتاب پر تقریظیں لکھنے والے بڑے بڑے وہابی حضرات اسے خوب داد و تحسین دے رہے ہیں تو یہ کیسا دوغلا پن ہے۔ ثانیاً وہابی جی نے اپنے بڑوں کی روش و طریقہ پر چلتے ہوئے یہ ظاہر کیا ہے کہ صرف اللہ کی ذات ہی غلطی و نسیان سے منزہ ہے مخلوق سے اس کا صدور ممکن ہے حالانکہ اللہ تعالیٰ کی عطا سے انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام بھی غلطی و نسیان سے مبرا ہوتے ہیں اگر ایسا نہ ہو تو ان کی شریعتیں یقینی نہ رہیں گی جب کہ انہیں بلا شک و شبہ یقینی ماننا اصل ایمان ہے اور نفوس قدسیہ انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کے علاوہ ہم خفی سنی کسی کے لیے غلطی و نسیان محال و ناممکن نہیں مانتے لہذا یہ اعتراض ہم پر بے جا ہے کہ ہم بقول وہابی کہتے ہیں کہ امام صاحب غلطی و نسیان سے پاک ہیں البتہ ہم امام صاحب رضی اللہ عنہ کو امام اعظم مجتہد اعظم محدث اعظم فقیہ اعظم اور اصول و فروع اسلامیہ کے ماہر اعظم سراج امت اور اصول و فروع میں امام الائمہ مانتے ہیں۔ وثلاً حجة المنافیقون

عاش۔ وہابی جی کا الزام کہ احناف اس بحث کے دوران محدثین کرام کو برا بھلا کہے جاتے ہیں۔ فقیر کہتا ہے کہ ہم سنیوں حنفیوں پر یہ الزام درست نہیں بزرگوں کی تنقیص و توہین کرنا یہ تو وہابیوں خارجیوں کا وطیرہ ہے لیکن محدثین و فقہاء عظام کا یہ بھی ارشاد ہے کہ امام اعظم سراج امت ابوحنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی تنقیص و توہین

ہمیشہ دو طرح کے لوگوں نے کی ہے۔ حاسدوں یا جاہلوں نے۔ ملاحظہ ہو
امام اعظم کی توہین کرنے والے حاسد و جاہل ہیں

أَخْبَرَنَا أَحْمَدُ بْنُ مُحَمَّدٍ الصَّرْفِيُّ قَالَ سَمِعْتُ مُحَمَّدَ بْنَ أَحْمَدَ الْمَسْكِيَّ قَالَ سَمِعْتُ عَلِيَّ بْنَ مُحَمَّدٍ بْنِ شَاسٍ قَالَ سَمِعْتُ مُحَمَّدَ بْنَ مَخْمُودٍ صَيْدَ لَانِي قَالَ سَمِعْتُ مُحَمَّدَ بْنَ شُجَاعٍ قَالَ قَالَ عَبْدُ اللَّهِ بْنُ دَاوُدَ مَا يَجُوبُ أَبَا حَنِيفَةَ إِلَّا أَحَدٌ رَجُلَيْنِ جَاهِلٌ لَا يَعْرِفُ فَضْلَ قَوْلِهِ أَوْ حَاسِدٌ لَمْ يَقِفْ عَلَى عِلْمِهِ فَحَسَدَهُ۔

اخبار ابی حنیفہ و اصحابہ للامام المحدث القاضي ابی عبد اللہ حسین بن علی الصمیری المتوفی ۴۲۶ھ ص ۹۹ محمد بن شجاع نے بیان کیا کہ عبد اللہ بن داؤد نے فرمایا امام ابوحنیفہ کو دو آدمیوں کے سوا کوئی عیب نہیں لگاتا یا جاہل جو آپ کے قول کی رفعت کو نہیں جانتا یا حاسد جس نے آپ کے علم تک رسائی نہ پائی تو حسد کرنے لگا۔ اسی کے اسی صفحہ پر ہے کہ: قَالَ عَبْدُ اللَّهِ بْنُ أَبِي رَوَّادٍ أَبُو حَنِيفَةَ الْمَخْنَعَةُ مِنْ أَحَبِّ أَبَا حَنِيفَةَ فَهُوَ سَتِيٌّ وَمَنْ أَبْغَضَهُ فَهُوَ مُبْتَدِعٌ۔ عبد العزیز بن ابوداؤد نے فرمایا کہ امام ابوحنیفہ امتحان ہیں جس نے ان سے محبت کی وہ سنی اور جس نے ان سے عداوت کی وہ بدعتی ہے۔ عبدالحی لکھنوی صاحب التعلیق المجد علی مؤطا امام محمد۔ میں کہتے ہیں:

امام ابوحنیفہ کے مناقب جمیلہ سمجھنے سے عقل عاجز ہے

أَبُو حَنِيفَةَ فَلَهُ سَنَاقِبٌ جَمِيلَةٌ وَمَا نَوَّرَ جَلِيلَةً عَقْلَ الْإِنْسَانِ قَامِرٌ عَنْ إِدْرَاكِهَا وَلِسَانُهُ عَاجِزٌ عَنْ يَبْيَانِهَا وَقَدْ صَنَّفَ فِي مَنَاقِبِهِ جُمُعٌ مِنْ عُلَمَاءِ الْمَذَاهِبِ الْمُتَفَرِّقَةِ وَلَمْ يَطْعَنْ عَلَيْهِ إِلَّا ذَوْنُ نَعَصَبٍ وَأَفْرَادٌ جَهَالَةٍ مَيَّسَةٍ۔ امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کے لیے مناقب جمیلہ اور آثار جلیلہ ہیں جس کے ادراک سے عقل انسانی قاصر اور اس کے بیان سے اس کی زبان عاجز ہے اور آپ کے مناقب میں مختلف مذاہب کے علماء کی ایک جماعت نے کتابیں لکھی ہیں اور آپ پر سواتعصب اور کھلی جہالت والوں کے کسی نے طعن نہ کیا۔ علاوہ ازیں ایسے واقعات بھی سامنے آئے ہیں کہ

بعض حضرات اہل تعصب و جہالت کی گفت شنید پر آپ کے متعلق سوہ ظن رکھتے تھے لیکن جب حقیقت پر اطلاع پائی تو آپ کی تعریف کرنے لگے چنانچہ ابوالمواہب عبد الوہاب بن احمد بن علی الانصاری الشافعی المصری المعروف امام الشیرازی رضی اللہ عنہ المیزان الکبریٰ جزء اول ص ۶۵ پر لکھتے ہیں:

امام اعظم رضی اللہ عنہ کی شان

وَكَانَ أَبُو مُطِيعٍ يَقُولُ كُنْتُ يَوْمًا عِنْدَ الْإِمَامِ أَبِي حَنِيفَةَ فِي جَامِعِ الْكُوفَةِ فَدَخَلَ عَلَيْهِ سُفْيَانُ الثَّوْرِيُّ وَمِقَاتِلُ بْنُ حَيَّانَ وَحَمَّادُ بْنُ سَلَمَةَ وَجَعْفَرُ الصَّادِقُ وَغَيْرُهُمُ الْفُقَهَاءُ فَكَلَّمُوا الْإِمَامَ أَبَا حَنِيفَةَ وَقَالُوا قَدْ بَلَّغْنَا إِنَّكَ تُكْثِرُ مِنَ الْقِيَاسِ فِي الشَّيْءِ إِنَّا نَخَافُ عَلَيْكَ مِنْهُ فَإِنَّ أَوَّلَ مَنْ قَامَ إِبْرَاهِيمُ بْنُ قَتَادَةَ ثُمَّ الْإِمَامُ مِنْ بُكْرَةَ نَهَارِ الْجُمُعَةِ إِلَى الزَّوَالِ وَعَرَضَ عَلَيْهِمْ مَذْهَبَهُ وَقَالَ إِنِّي أَقْدِمُ النِّعَمَ بِالْكِتَابِ ثُمَّ بِالسُّنَّةِ ثُمَّ بِأَقْصَى الصَّحَابَةِ مُقَدِّمًا مَا اتَّفَقُوا عَلَى مَا اخْتَلَفُوا فِيهِ وَحِينَئِذٍ أَقْبَسُ فَقَامُوا كُلُّهُمْ وَقَبَلُوا يَدَهُ وَرُكْبَتَهُ وَقَالُوا لَوْ أَنَّكَ سَيِّدُ الْعُلَمَاءِ فَأَعُفْ عَنَّا فِي مَا مَضَى مِنَّا مِنْ وَفَّيْنَا فِيكَ بِغَيْرِ عِلْمٍ فَقَالَ غَفَرَ اللَّهُ لَنَا وَلَكُمْ أَجْمَعِينَ۔ اور ابو مطیع بیان کرتے تھے کہ ایک دن میں کوفہ کی جامع مسجد میں امام ابو حنیفہ کے پاس تھا تو سفیان ثوری اور مقاتل بن حیان اور حماد بن سلمہ اور امام جعفر صادق وغیرہم رضی اللہ تعالیٰ عنہم فقہاء امام ابو حنیفہ کے پاس آئے تو امام ابو حنیفہ سے باتیں کرنے لگے اور انہوں نے آپ سے کہا کہ ہمیں تمہارے متعلق پہنچا کہ تم دین میں کثرت قیاس سے کام لیتے ہو ہمیں اس وجہ سے تم پر خوف ہے کیونکہ (اللہ کا حکم چھوڑ کر) سب سے پہلے قیاس شیطان نے کیا پس امام صاحب نے ان حضرات سے جمعہ کی صبح سے زوال تک مباحثہ کیا اور انہیں اپنا مذہب بیان کیا اور کہا کہ میں کتاب اللہ پر عمل مقدم رکھتا ہوں پھر سنت پھر صحابہ کے ان فیصلوں کو مقدم رکھتا ہوں جن پر ان حضرات کا اتفاق ہوا پھر جن میں ان کا اختلاف تھا اس کے بعد قیاس و اجتہاد کی طرف آتا ہوں یہ سن کر وہ سب حضرات کھڑے ہوئے اور آپ کے ہاتھ اور

کھنٹے چومنے لگے اور ان سب نے اعتراف کیا کہ تم سب علماء کے سردار ہو تو جو مغالطہ میں آ کر تمہارے متعلق ہماری زبان و دل میں آیا اس سے درگزر کرو پس آپ نے کہا اللہ ہم اور تم سب کو معاف کرے۔ اسی المیزان الکبریٰ کے ص ۶۶ پر ہے کہ: وَمِمَّا كَانَ كَتَبَهُ الْحَنِيفَةُ أَبُو جَعْفَرٍ الْمَنْصُورُ إِلَى الْإِمَامِ أَبِي حَنِيفَةَ بَلَّغْنِي إِنَّكَ تَقْدِمُ الْقِيَاسَ عَلَى الْحَدِيثِ فَقَالَ لَيْسَ الْأَمْرُ كَمَا بَلَّغَكَ يَا أَمِيرَ الْمُؤْمِنِينَ إِنَّمَا أَعْمَلُ أَوَّلًا بِكِتَابِ اللَّهِ ثُمَّ بِسُنَنِ رَسُولِهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ثُمَّ بِأَقْصَى أَبِي بَكْرٍ وَعُمَرَ وَعُثْمَانَ وَعَلِيٍّ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمْ ثُمَّ بِأَقْصَى الصَّحَابَةِ ثُمَّ أَقْبَسُ بَعْدَ ذَلِكَ إِذَا اخْتَلَفُوا وَلَيْسَ بَيْنَ اللَّهِ وَبَيْنَ خَلْقِهِ قَرَابَةٌ۔ اور اس سے جو حلیفہ ابو جعفر منصور نے امام ابو حنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی طرف لکھا کہ مجھے خبر ہوئی ہے کہ آپ قیاس کو حدیث پر مقدم رکھتے ہیں امام صاحب نے جواباً فرمایا کہ اے امیر المؤمنین جیسے آپ کو پہنچا وہ حقیقت نہیں میں تو اولاً کتاب اللہ پر عمل کرتا ہوں پھر اس کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سنت پر پھر حضرات ابوبکر و عمر و عثمان و علی رضی اللہ عنہم کے فیصلوں پر پھر دوسرے صحابہ کے اقوال و معمول پر اس کے بعد قیاس و اجتہاد کرتا ہوں۔ جب ان میں اختلافی ہوا ہو کہ اللہ اور اس کی مخلوق کے درمیان دین میں کسی کو رعایت نہیں

امام اوزاعی غلط فہمی کے ازالہ کے بعد امام اعظم کی عظمت کے قائل ہو گئے

مَحَمَّدُ بْنُ مِقَاتِلٍ قَالَ سَمِعْتُ ابْنَ الْمُبَارَكِ قَالَ كُنْتُ عِنْدَ الْأَزْهَرِيِّ فَقَالَ لِي الْأَزْهَرِيُّ يَا أَبَا عَبْدِ الرَّحْمَنِ رَجُلٌ يَذْكُرُ وَنَهَ بِالْكُوفَةِ ضَالًّا مُضِلًّا يَذْهَبُ النَّاسُ إِلَى يَدْعِيَةٍ فَعَبْتُ عَنِ الْأَوْزَاعِيِّ بِسَلْفَةِ أَيَّامٍ وَتِلْكَ لِيَالِي وَأَخْرَجْتُ مِنْ مَسَائِلِ أَبِي حَنِيفَةَ مَسَائِلًا وَكَتَبْتُهَا بِحُجَّتِهَا وَحَمَلْتُ الْكِتَابَ إِلَى الْأَوْزَاعِيِّ فَأَقْرَبَنِي وَقَدْ أَذَّنَ فَلَمَّارَ إِلَيَّ أَقَامَ وَصَلَّيْنَا صَلَاةَ الصُّبْحِ فَقَالَ لِي يَا أَبَا عَبْدِ الرَّحْمَنِ مَا هَذَا الْكِتَابُ مَعَكَ قُلْتُ كِتَابٌ فِيهِ مَسَائِلٌ وَكَتَبْتُ

عَلَى كُلِّ مَسْئَلَةٍ قَالَهُ النُّعْمَانُ قَالَ هَاتِهِ فَيَجْعَلُ يَقْرَأُ حَتَّى يَنْهَى
إِلَى آخِرِهِ فَقَالَ مِنَ النُّعْمَانِ الَّذِي هَذِهِ جَوَابَاتُ الْحَسَنِ لَهُ قُلْتُ
أَبُو حَنِيفَةَ الَّذِي نَهَيْتَ عَنْهُ قَالَ حَرَامٌ عَلَى إِنْ أَنْهَاهُ عَمَّنْ تَعْلَمُ
مِثْلَ هَذَا فَالْزِمْنَاهُ وَاسْتَكْفِرْ مِنْهُ فَإِنَّ هَذَا يُحْسِنُ أَنْ يَتَكَلَّمَ فِي
الْعِلْمِ۔

اخبار ابی حنیفہ و اصحابہ للامام الحدیث القاضی ابی عبد اللہ حسین بن علی الصیرفی
التوفی ص ۴۳۶ التوفی سن ۲۴۷ھ بن مقاتل نے کہا ہے کہ میں نے ابن مبارک رحمۃ اللہ
علیہ کو بیان کرتے سنا کہ میں اوزاعی کے پاس تھا تو مجھے اس نے کہا کہ اے ابو عبد الرحمن
کوفہ کے ایک شخص کے متعلق بتاتے ہں کہ وہ گمراہ اور گمراہ کرنے والا ہے لوگوں کو
بدعت کی طرف بلاتا ہے جب میں نے یہ اوزاعی سے سنا تو تین دن اور تین راتیں میں
اس سے غائب رہا تو میں اس دوران امام ابو حنیفہ کے بیان کردہ مسائل نکالے اور
مسائل پر ان کے دلائل کو لکھا اور اٹھا کر علامہ اوزاعی کے پاس لایا جب اس کے قریب
ہوا تو اس نے اذان کہی پھر خود ہی اس نے اقامت کہی اور ہم نے نماز فجر ادا کی پس
اس نے مجھے کہا اے ابو عبد الرحمن یہ تیرے پاس کتاب کیسی ہے میں نے کہا اس کتاب
میں مسائل ہیں اور میں نے ان سے ہر مسئلہ کو اس طور پر لکھا ہے جس طرح اس کو
حضرت نعمان نے بیان کیا وہ بولا یہ مجھے دیکھاؤ پس اس نے اسے پڑھنا شروع کر
دیا حتیٰ کہ آخر تک اسے پڑھا پھر کہا یہ کون نعمان ہیں۔ جس کے اس قدر اچھے جوابات
ہیں میں نے کہا یہ وہی امام ابو حنیفہ ہیں جس کی مجلس سے آپ نے مجھے منع کیا اس نے
کہا مجھ پر حرام ہے کہ میں تجھے ایسے مسائل سیکھنے سے روکوں اس کی مجلس لازم رکھو اور
پہلے سے بھی کثرت کرو پس یہ بہت اچھا ہے کہ علم میں مشغول رہا جائے۔ ان عبارات
سے واضح ہوا کہ بعض حضرات امام صاحب رضی اللہ عنہ کے متعلق یا تو حقیقتہ الامر سے
عدم اطلاع کی بناء پر یا حاسدوں اور جاہلوں کی باتوں میں آکر مخالف ہو گئے حقیقت
حال پر آگاہ ہوئے تو آپ کی رفعت شان و عظمت کے قائل ہو گئے۔ واضح رہے کہ اس

جگہ نام نہاد دین الحق کے مصنف نے امام صاحب پر جرح و تنقیص پر مبنی چند عبارتیں
پیش کی ہیں جن میں آپ کو مضطرب الحدیث متقلب الحدیث ضعیف اور حدیث میں غلطی
کرنے والے سنی الحفظ۔ صاحب الرائی اور مرجئی الفاظ کہے گئے ہیں اور جن کی طرف
ان اقوال کو منسوب کیا گیا ان میں امام بخاری و مسلم نسائی ابن حبان۔ ابن عدی۔ ابو نعیم
اصنہانی۔ ابی مبارک۔ دارقطنی۔ ابن عبد البر۔ امام شافعی۔ سفیان ثوری۔ یحییٰ بن
معین۔ علی بن مدینی ہیں۔

الجواب اذلاً: جن حضرات کی طرف امام صاحب کی جرح میں اقوال کو منسوب کیا
گیا ہے ان میں بعض کا زمانہ امام صاحب رضی اللہ عنہ سے بعد کا ہے جیسے کہ بخاری و
مسلم و نسائی اور دارقطنی وغیرہ ظاہر ہے کہ ان حضرات نے اوروں کی باتوں یا عبارتوں
پر اعتماد کیا اور یہ پہلے گزرا کہ حاسد اور بعض جاہل آپ کی تنقیص و توہین میں طرح طرح
کی باتیں اور غلط بیانیوں کو آپ کی طرف منسوب کرتے تھے اور بعض حضرات ان کی
باتوں میں آکر امام صاحب کی مخالفت کرتے تھے۔

ثانیاً: امام صاحب پر جرح میں اقوال جن حضرات کی طرف منسوب کیے گئے ان
میں سے اکثر کے اقوال امام اعظم ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ کی مدح اور تعریف میں ملتے ہیں
جن میں امام شافعی۔ امام سفیان ثوری۔ ابن مبارک۔ ابن حبان۔ ابن عدی ابو نعیم
اصنہانی۔ علی بن مدینی۔ یحییٰ بن معین۔ چنانچہ ان کے اقوال آگے آرہے ہیں۔

ثالثاً: جب جرح و تعدیل میں تعارض ہو بالخصوص جب جرح کرنے والوں میں
اہل تعصب و حاسدین بھی شامل ہوں تو ترجیح تعدیل کو ہوگی۔

رابعاً: آئمہ مذہب علاؤ الامام مالک امام شافعی امام احمد بن حنبل رضی اللہ تعالیٰ عنہم
امام ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ کی ثقاہت و رفعت شان و عظمت کے قائل ہوئے ہیں
یہی وجہ ہے کہ فقہائے احناف کے ساتھ آئمہ ثلاثہ کے مقلدین نے بھی امام صاحب کی
مدح و تعریف میں عظیم الشان کتب لکھی ہیں لہذا غیر مقلدوں کا امام اعظم رضی اللہ عنہ کی
شان میں زبان ددازی سورج کو تھوکے کے مترادف ہے۔

کثیر اولیاء کرام امام اعظم کے مقلد ہوئے ہیں

خامساً: امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کے مقلدین میں کثیر اولیاء کا طبقہ ہوئے بقول وہابی اگر احناف کا مذہب و معمول بلا دلیل یا اس کی بنیاد ضعیف دلائل پر ہوتی تو ان کو ولایت و کمال حاصل نہ ہوتا۔

امام صاحب پر یہ اعتراض کہ وہ صاحب الرائے تھے

الجواب اولاً: فریق ثانی صاحب الرائے سے کیا مراد لیتے ہیں؟ اگر یہ مراد لیں کہ امام صاحب رضی اللہ عنہ قرآن و حدیث اور اجماع پر رائے کو ترجیح دیتے تھے تو یہ محض جھوٹ ہے کیونکہ ہم پیچھے الہیز ان الکبریٰ کے حوالہ سے خود امام صاحب کا ارشاد نقل کر چکے ہیں۔ کہ فرمایا میں پہلے کتاب اللہ پر عمل کرتا ہوں پھر سنت رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم پر پھر صحابہ رضوان اللہ علیہم کے ان فیصلوں پر جن پر ان کا اتفاق ہوا پھر ان میں راجع پر جن میں ان کا اختلاف ہوا اس کے بعد قیاس کی طرف آتا ہوں نیز احناف کی کتب اصول میں بھی قرآن و سنت اور اجماع امت کو اصل اور ماخذ قرار دیا اور قیاس کو ان تین کے تابع رکھا گیا ہے یعنی جب تک ان تین اصول سے مسئلہ کا حل ملتا ہے تو قیاس کی حاجت نہیں۔ ثانی اگر فریق ثانی کی مراد ہے کہ رائے نا جائز و حرام ہے جیسا کہ غیر مقلد کہا کرتے ہیں تو یہ دراصل ان احادیث مبارکہ کا انکار ہے جن میں قیاس و اجتہاد کی تصریح آئی ہے۔

قیاس و اجتہاد کے ثبوت پر دلائل

چنانچہ بخاری ج ۲ باب ۱ بحر الحاکم اذا اجتهد اصاب أو اخطأ۔ میں ہے: عَنْ عُمَرَ وَبْنِ الْعَاصِ إِنَّهُ سَمِعَ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ إِذَا حَكَمَ الْحَاكِمُ فَاجْتَهَدَ فَأَصَابَ فَلَهُ أَجْرَانِ وَإِذَا حَكَمَ فَاجْتَهَدَ ثُمَّ أَخْطَأَ فَلَهُ أَجْرٌ۔ عمرو ابن العاص رضی اللہ عنہ سے ہے کہ اس نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو فرماتے سنا کہ جب حاکم نے اجتہاد سے فیصلہ کیا اس نے درست کیا تو اس

کے لیے دو اجر ہیں پھر اگر اجتہاد میں غلطی ہوئی تو اسے ایک اجر ہے۔ واضح رہے کہ حاکم سے مراد یہاں مطلق مجتہد ہے قاضی ہو یا مذہب کا امام ہو یا اصول و فروع میں امام کا مقلد ہو جب کہ اجتہاد تلاش حق کے لیے ہو۔

دوم: جامع ترمذی ابواب الاحکام کے آغاز میں ہے کہ:

عَنْ مُعَاذٍ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَعَثَ مُعَاذًا إِلَى الْيَمَنِ فَقَالَ كَيْفَ تَفْتَضِي قَالَ أَقْضِي بِمَا فِي كِتَابِ اللَّهِ قَالَ فَأَلَمْ يَكُنْ فِي كِتَابِ اللَّهِ قَالَ فَيُسْنِي رَسُولُ اللَّهِ قَالَ فَأَلَمْ يَكُنْ فِي سُنَّةِ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اجْتَهِدْ وَأَنْتَ قَالَ أَلْحَمْدُ لِلَّهِ الْبَدِي وَفَقَّ رَسُولُ رَسُولِ اللَّهِ۔

حضرت معاذ رضی اللہ عنہ سے ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے اسے یمن کی طرف عامل بنا کر بھیجا تو فرمایا تم کس طرح فیصلے کرو گے عرض کی اس کے ساتھ فیصلہ کروں گا جو اللہ کی کتاب میں ہے فرمایا اگر اللہ کی کتاب میں نہ ہوا عرض کی رسول اللہ کی سنت کے ساتھ فرمایا اگر رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی سنت میں بھی نہ ہوا تو پھر عرض کی اپنی رائے سے اجتہاد کروں گا فرمایا تمام تعریفیں جس نے رسول اللہ کے قاصد کو موافق شرع کیا۔ ایک دوسری روایت میں ان لَمْ يَكُنْ فِي كِتَابِ اللَّهِ۔ کی جگہ ان لَمْ يَجِدْ۔ آیا یعنی اگر تو نہ پاسکے۔ یہ پہلی روایت کے معنی کی وضاحت کرتی ہے کہ مراد ہمارا نہ پانا ہے اور ہمارا کسی مسئلہ کو قرآن و حدیث میں نہ پانا اس کو لازم نہیں کرتا کہ اس مسئلہ کی اصل بھی قرآن و حدیث میں نہ ہو ممکن ہے مسئلہ یا اس کی اصل تو قرآن و حدیث میں ہو مگر ہماری عقل و سمجھ کو اس تک رسائی نہ ہو۔

ثالثاً: اگر قیاس و رائے تمہارے نزدیک عیب ہے تو پھر امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کی اس میں تخصیص کیوں بوقت ضرورت تمام آئمہ مذاہب نے قیاس کیا چنانچہ امام شعرانی فرماتے ہیں:

لا خصوصية للإمام أبي حنيفة في القياس بشرطه المذكور بل

جميع العلماء يقيسون في مضائق اذا لم يجده في المسئلة نصا
من كتاب ولا سنة ولا اجماع وَالْأَقْضَىٰ الصَّحَابَةُ وَكَذَلِكَ لَمْ
يَزَلْ مُتَقَلِّبًا لَّهُمْ اِلَىٰ وَقْتِنَا هَذَا فِي كُلِّ مَسْئَلَةٍ لَا يَجِدُونَ فِيهَا
نَصَامِنْ غَيْرِ نَكِيرٍ فَيَسْمَا بَيْنَهُمْ بَلْ جَلَعُوا الْقِيَاسَ احَدَ الْاَدْلَةِ
الارْبَعَةِ فَقَالُوا الْكِتَابَ وَالسَّنةَ وَالْاِجْمَاعَ وَالْقِيَاسَ وَقَدْ كَانَ
امام الشافعي رضي الله تعالى عنه يقول اذا لم نجد في المسئلة
دليلا قسناها على غيرها. فمن اعترض على الامام ابي حنيفة
في عمله بالقياس لزمه الاعتراض على الائمة كلهم لانهم
كلهم بشار كونه في العمل بالقياس عند فقدهم النصوص
والاجماع.

الميزان الكبير في جزء اول ص ۶۶۔ یعنی مذکورہ شرط کے ساتھ قیاس کرنے میں امام
ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کی خصوصیت نہیں بلکہ تمام علماء مشکل اوقات میں قیاس کرتے ہیں
جب وہ کسی مسئلہ میں قرآن و سنت اور اجماع و صحابہ کے فیصلوں سے دلیل نہ پائیں اور
ایسے ہی آئمہ کے مقلدین بھی ہمارے اس وقت تک قیاس کرتے آئے ہیں ہر اس مسئلہ
میں جس کی دلیل وہ نہ پائیں ان کے درمیان اس میں بلا کسی کے انکار کے بلکہ کیا انہوں
نے قیاس کو چار دلیلوں میں سے ایک تو کہا کتاب اور سنت اور اجماع اور قیاس چاروں
دلیلیں ہیں اور امام شافعی رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں جب ہم کسی مسئلہ میں دلیل نہ
پائیں تو اسے ہم اس کے غیر (بدل مسئلہ) پر قیاس کرتے ہیں پس جس نے امام ابوحنیفہ
پر اعتراض کیا اس کے قیاس پر عمل میں تو اس کا اعتراض لازم آیا تمام آئمہ پر کیونکہ وہ
سب اس کے ساتھ برابر ہیں قیاس پر عمل میں نصوص و اجماع کے نہ پائے جانے کے
وقت۔ وہابی صاحب کی پیش کردہ عبارت میں امام صاحب رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر مرجعی
ہونے کا الزام جھوٹ ہے۔ اولاً اس جھوٹ گھڑنے کی اصل وجہ یہ ہے کہ فرقہ باطلہ ملعونہ
مرجیہ سے ایک شخص عنان کوئی نامی اپنے بعض عقائد فاسدہ کی نسبت مکاری سے امام

رضی اللہ عنہ کی طرف کر دیتا تھا۔ تحقیق کے لیے (مرام الکلام فی عقائد الاسلام
المجلد الثانی فی الفرق المبتدئہ) ملاحظہ کریں۔

ثانیاً مذکورہ فرقہ باطلہ کے بنیادی عقائد میں سے ایک یہ کہ قرآن کو وہ معاذ اللہ
مخلوق کہتے ہیں دوسرا یہ کہتے ہیں کہ مؤمن کو معصیت سے کچھ نقصان و سزا نہیں جب کہ
امام صاحب ایسے عقائد باطلہ فاسدہ قبیحہ سے بری ہیں بلکہ امام صاحب رضی اللہ عنہ کا
مذہب اس کے رد میں ہے ملاحظہ ہو فرماتے ہیں کہ: وَالْقُرْآنُ غَيْرُ مَخْلُوقٍ یعنی قرآن
مخلوق نہیں۔ الفقہ الاکبر للامام الاعظم ابی حنیفہ نعمان بن ثابت رضی اللہ عنہ۔ اسی
مذہب الاکبر میں ہے کہ ولا نقول ان المؤمن لا تضروه الذنوب یعنی ہم اہل السنۃ
والمذہب اس کے قائل نہیں کہ مؤمن کو گناہ معصیتیں۔ فتح الملہم شرح صحیح المسلم ج ۱ ص ۱۷
امام ربیع صاحب تہذیبی کے حوالہ سے لکھتے ہیں:

رَوَى بِإِسْنَادِهِ عَنْ أَبِي بُسَيْفٍ كَلَّمْتُ أَبَا حَنِيفَةَ سَنَةً فِي أَنَّ
الْقُرْآنَ مَخْلُوقٌ أَمْ لَا فَاتَّفَقَ رَأْيُهُ وَرَأْيِي عَلَى أَنَّ مَنْ قَالَ الْقُرْآنَ
مَخْلُوقٌ فَهُوَ كَافِرٌ۔ قَالَ ابْنُ أَبِي حَنِيفَةَ رَوَانَهُ كُلُّهُمْ بَقَاتٌ۔

تہذیبی اپنی اسناد کے ساتھ امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ سے راوی کہ میرا امام ابوحنیفہ
رضی اللہ عنہ سے اس کی تحقیق میں ایک سال کلام رہا کہ آیا قرآن مخلوق ہے یا غیر مخلوق
میں ان کی اور میری رائے اس پر متفق ہوئی کہ بلاشبہ جس نے قرآن کو مخلوق کہا کافر
ہے۔ امام تہذیبی نے فرمایا کہ اس کے سب راوی ثقہ ہیں۔ اس بیان سے واضح ہوا کہ امام
صاحب کو مرجعی اور قرآن کو مخلوق جاننے والا کہنا کسی عدو بے بھر کا قول ہے جس کا امام
صاحب رضی اللہ عنہ سے دور کا بھی تعلق نہیں بلکہ امام صاحب اس کے قائل کو پکا کافر
کہتے تھے۔ مگر کیا کریں ان بداندیش دہائیوں کا جن کو بزرگوں کے عیب کے سوا کچھ
نہیں سوچتا۔

جاء: اگر امام صاحب معاذ اللہ مرجعی ہوتے تو آپ کے تلامذہ اور مقلدین میں
سے سب نہ تو کچھ اس عقیدہ پر ہوتے مگر ایسا ہرگز نہیں جس سے ثابت ہوا کہ یہ امام

صاحب پر دشمنوں اور متعصبین کا الزام ہے جس کو حقیقت سے کچھ تعلق نہیں۔ اب امام
الائمہ سراج الامہ کا شرف الغمہ امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی صحت روایات اور
ثقافت و ثقافت اور علم و فراست اور تقویٰ و طہارت پر علماء و فقہاء و محدثین رضوان اللہ
علیہم اجمعین کے اقوال لکھے جاتے ہیں: وَمَا تَوْفِيقِي إِلَّا بِاللَّهِ هُوَ حَسْبِي وَنِعْمَ
الْوَكِيلُ نِعْمَ الْمَوْلَى وَنِعْمَ النَّصِيرُ۔ سُبُلُ عَنِ الشَّافِعِيِّ۔

۱۔ فَقَالَ رَأَى صَحِيحًا وَحَدِيثًا صَحِيحًا۔

المیزان الکبریٰ جزء اول ص ۶۳ تاریخ البغداد ج ۳ ص ۴۶ امام شافعی سے امام
ابوحنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے متعلق پوچھا گیا تو فرمایا ان کا اجتہاد صحیح تھا اور حدیث بھی
صحیح

امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کی حدیث بیان کرتے جو زبانی یاد ہوتی

۲۔ وَقَدْ أَتَنِي كَثِيرٌ مِنْ أَهْلِ الْحَدِيثِ وَالْفِقْهِ عَلَى إِمَامِ أَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُ
اللَّهُ تَعَالَى عَلَيْهِ قَالَ ابْنُ مُعِينٍ كَانَ أَبُو حَنِيفَةَ ثِقَةً فِي الْحَدِيثِ وَعَنْهُ قَالَ
كَانَ أَبُو حَنِيفَةَ ثِقَةً لَا يُحَدِّثُ بِالْحَدِيثِ إِلَّا بِمَا يَحْفَظُهُ وَلَا يُحَدِّثُ
بِمَا لَا يَحْفَظُهُ۔ حاشیہ تاریخ کبیر جزء ۴ ص ۸۱ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی کثیر
آئمہ حدیث وفقہ نے ثناء گوئی کی ہے ابن معین نے فرمایا کہ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ
حدیث میں ثقہ تھے انہیں سے ہے کہ فرمایا امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ ثقہ تھے وہی حدیث
بیان کرتے جو آپ کو حفظ ہوتی اور اس حدیث کو بیان نہ کرتے جو حفظ نہ ہوتی۔

۳۔ واضح رہے کہ ابن معین کے یہ دونوں قول تہذیب العہد ج ۱ ص ۴۵۰ پر بھی
موجود ہیں۔

۴۔ وَقَالَ سُفْيَانُ الثَّوْرِيُّ وَابْنُ الْمُبَارَكِ كَانَ أَبُو حَنِيفَةَ ثِقَةً أَهْلُ الْأَرْضِ
فِي دَعَائِهِ۔ الهدایہ والنہایہ ج ۱ ص ۱۰۷ سفیان ثوری اور ابن مبارک رضی اللہ عنہما
نے فرمایا کہ امام ابوحنیفہ اپنے زمانہ کے تمام اہل زمین سے زیادہ فقیہ تھے۔

۵۔ اسی میں ہے کہ: (وَقَالَ أَبُو نُعَيْمٍ كَانَ صَاحِبَ عَوَاصٍ فِي الْمَسَائِلِ)

ابو نعیم نے کہا کہ امام صاحب مسائل میں بہت غوطہ زن تھے۔

۶۔ وَقَالَ عَلِيُّ بْنُ مَدِينَةَ ثِقَةً لَا يَأْمَنُ بِهِ۔ كَمَا فِي بَيَانِ جَمَاعَةِ الْعُلَمَاءِ لِابْنِ
عَبْدِ الْبَرِّ۔ مقدمہ فتح الملحوم شرح صحیح مسلم ج ۱ ص ۶۹ ابوالعلی مدینی نے کہا کہ امام
ابوحنیفہ ثقہ ہیں ان میں کچھ ضعف نہیں جیسا کہ ابن عبد البر کی جامع العلم میں بیان
ہے۔

۷۔ سُبُلُ يَخْبِي هَلْ حَدَّثَ سُفْيَانُ عَنْ أَبِي حَنِيفَةَ؟ قَالَ نَعَمْ كَانَ أَبُو حَنِيفَةَ
ثِقَةً صَدُوقًا فِي الْحَدِيثِ وَالْفِقْهِ مَا مَوْلَا عَلَى دِينِ اللَّهِ) یعنی یحییٰ بن معین
سے پوچھا گیا کیا سفیان ثوری نے امام ابوحنیفہ سے حدیث روایت کی؟ کہا یہاں
ابوحنیفہ ثقہ اور حدیث وفقہ میں سچے تھے اور اللہ کے دین پر مامون تھے۔

۸۔ وَقَالَ الرَّبِيعُ وَالْحِزْمَةُ سَمِعْنَا الشَّافِعِيَّ يَقُولُ النَّاسَ عِيَالًا فِي الْفِقْهِ
عَلَى أَبِي حَنِيفَةَ۔ تہذیب العہد ج ۱ ص ۴۵۰ للعلامة ابن حجر عسقلانی ربيع
اور حرمة نے کہا ہے کہ ہم نے امام شافعی رضی اللہ عنہ کو فرماتے سنا کہ لوگ ابوحنیفہ
رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے سامنے فقہ میں بچے ہیں۔

۹۔ حضرت عبد اللہ بن مبارک نے فرمایا: وَلَا تَقُولُوا رَأَى أَبِي حَنِيفَةَ وَلَكِنْ
تَقُولُوا إِنَّهُ تَقْسِيمُ الْحَدِيثِ۔ مقام ابی حنفیہ ص ۱۸۲ حضرت عبد اللہ بن مبارک
رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ یہ نہ کہو کہ فلاں ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کی رائے ہے لیکن کہو
کہ بلاشبہ وہ حدیث کی مراد ہے۔

۱۰۔ حضرت عبد اللہ بن مبارک فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت سفیان ثوری رضی اللہ
تعالیٰ عنہ کو فرماتے سنا کہ۔ كَانَ إِمَامُ أَبُو حَنِيفَةَ شَدِيدًا الْأَخْذَ لِلْعِلْمِ ذَاتًا
عَنْ حَرَمِ اللَّهِ أَنْ تَسْتَحِلَّ بِأَخْذِ بِمَا صَحَّ مِنَ الْأَحَادِيثِ الَّتِي كَانَتْ
يَحْمِلُهَا الْإِتْقَانُ وَبِالْأَخْرِ مِنْ فِعْلِ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ
وَسَلَّمَ۔ مقام ابی حنفیہ ص ۱۳۳ یعنی امام ابوحنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ علم شریعہ حاصل
کرنے میں بہت رغبت رکھنے والے حدود الہیہ کی بے حرمتی پر بہت مدافعت

کرنیوالے تھے اور صرف وہی حدیث صحیح لیتے جو ثقہ رواۃ سے مروی ہو اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے آخری فعل کو ہی معمول بناتے۔ واضح رہے کہ بند ناچیز نے کہا تھا کہ جن محدثین و فقہاء کی طرف غیر مقلد کی پیش کردہ عبارتوں میں امام صاحب پر جرح و تضعیف میں اقوال منسوب کیے گئے ان میں سے اکثر کے ارشادات امام صاحب رضی اللہ عنہ کی مدح و ثناء میں موجود ہیں اور یہ بفضلہ تعالیٰ ثابت کر دیا یہاں آپ سوچیں گے اس طرح کے متضاد اقوال ان حضرات سے کیسے جاری ہوئے؟

عرض کرتا ہوں کہ اس کی دو صورتیں ہو سکتی ہیں ایک یہ کہ امام صاحب کے حاسدین و مخالفین نے امام صاحب کے وقار و اعتماد کو مجروح کرنے کو ایسے اقوال ان بزرگوں کی طرف غلط منسوب کر دیئے۔

دوم یہ کہ ایسے اقوال ان حضرات سے اس وقت سرزد ہوئے جب امام صاحب کے بارے حقیقت حال سے آگاہ نہ تھے جب آگاہ ہوئے تو امام صاحب کی مدح و تعریف میں رطب اللسان ہوئے جیسا کہ پیچھے امام جعفر صادق عبد اللہ مبارک سفیان ثوری وغیرہم کا واقعہ گزرا۔ (کامل چار علماء)

۱۱- أَخْبَرَنَا عَبْدُ اللَّهِ بْنُ الْحَلَوَانِيُّ قَالَ لَنَا مُكْرَمٌ قَالَ ثَنَا أَحْمَدُ قَالَ ثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ الْمُثَنَّى صَاحِبُ أَبِي نَصْرِ بْنِ الْحَارِثِ قَالَ سَمِعْتُ ابْنَ عُيَيْنَةَ قَالَ الْعُلَمَاءُ أَرْبَعُ ابْنِ عَبَّاسٍ فِي زَمَانِهِ وَشُعْبَةُ فِي زَمَانِهِ وَأَبُو حَنِيفَةَ فِي زَمَانِهِ وَالثَّوْرِيُّ فِي زَمَانِهِ (اخبار ابی حنیفہ و اصحابہ ص ۶) محمد بن شیبہ جو کہ ابی نصر بن بشر بن حارث کے ساتھی ہیں بیان کیا کہ میں نے ابن عیینہ رحمۃ اللہ علیہ کو فرماتے سنا افضل علماء چار ہیں۔ عبد اللہ بن عباس اپنے زمانہ میں اور شعبی اپنے زمانہ میں اور امام ابو حنیفہ اپنے دور میں سفیان ثوری اپنے دور میں۔ رضی اللہ تعالیٰ عنہم (۱۲) امام نووی نے تہذیب الاسماء میں لکھا ہے کہ ابو بکر عیاش سے مروی ہے کہ جب امام ثوری رضی اللہ عنہ کے والد فوت ہوئے تو لوگ تعزیت کو ان کے

پاس جمع ہوئے اور امام صاحب آئے تو سفیان ثوری اٹھ کھڑے ہوئے اور ان کی بہت تعظیم کی اور ان کو اپنی مسند پر بٹھا کر خود ان کے سامنے بیٹھ گئے جب لوگ چلے گئے تو سفیان ثوری سے ان کے اصحاب نے کہا کہ آج ہم نے آپ کو عجب کام کرتے دیکھا فرمایا تعجب کس بات کا میرے پاس اہل علم سے ایک شخص آیا اگر میں اس کے علم کے لیے نہ اٹھتا تو اس کی فقہت کے احترام میں اٹھتا اگر فقہت کے لیے نہ اٹھتا تو اس کی پرہیزگاری کے اکرام میں اٹھتا اور اس کی پرہیزگاری کو نہ اٹھتا تو اس کی عمر کی تعظیم کو اٹھتا۔ (ماخوذہ از حدیثہ الخفیہ ص ۱۸۰)

۱۳- عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ شُعْبَةَ قَالَ سَمِعْتُ عَلِيَّ بْنَ عَاصِمٍ يَقُولُ لَوْ وَزَنَ عَقْلُ أَبِي حَنِيفَةَ بِعَقْلِ بَعْضِ أَهْلِ الْأَرْضِ لَوَجَّحَ بِهِمْ - مناقب امام اعظم ابی حنیفہ جزء اول ص ۱۸۰ میں الموفق بن احمد الحسکی و محمد بن محمد المعروف بابن ابی ار الکر دوی رحمۃ اللہ علیہما محمد بن شعاع نے بیان کیا کہ میں نے علی بن عاصم رحمۃ اللہ علیہ کو فرماتے سنا کہ اگر امام ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ کی عقل کا نصف زمین والوں کی عقلوں سے موازنہ کیا جائے تو بلاشبہ ان کی عقلوں سے بھاری ہو جائے۔

۱۴- اسی کے اگلے صفحہ پر پوری سند سے بیان ہے کہ خارجہ بن مصعب رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا میں نے ایک ہزار علماء سے شرف ملاقات حاصل کیا تو ان میں کمال عقل والے تین یا چار کو پایا تو ان تین یا چار میں امام ابو حنیفہ کا بھی ذکر کیا۔

۱۵- وَقَالَ أَبُو نُعَيْمٍ كَانَ صَاحِبُ غَوَاصٍ فِي الْمَسَائِلِ وَقَالَ مَجْئِي بِنُ إِسْرِهِمْ كَانَ أَكْلَمَ أَهْلِ الْأَرْضِ - البدایہ و النہای جزء ۱ ص ۱۰۷ ابو نعیم نے فرمایا کہ امام ابو حنیفہ مسائل میں صاحب اجتہاد تھے اور حضرت مکی بن ابراہیم نے کہا کہ وہ اہل زمین میں سب سے زیادہ علم والے تھے۔

۱۶- قَاسِمُ بْنُ عَسَّانٍ قَالَ إِسْرَاهُمُ بْنُ عَبْدِ اللَّهِ الْهَرَوِيُّ يَقُولُ سَمِعْتُ بَرِيْدَ بْنَ هَارُونَ أَدْرَكَتْ أَلْفَ رَجُلَاتٍ مِنَ الْفُقَهَاءِ وَكُنْتُ عَنْ أَكْثَرِهِمْ مَا رَأَيْتُ فِيهِمْ أَلْفَةً وَلَا أَوْزَعَ وَلَا أَحْكَمَ مِنْ خَمْسَةِ أَوْلَاهُمْ أَبُو حَنِيفَةَ - تہذیب

الخطیب ۲۰۰ للمحدث محمد بن زاہد الکوثری۔ قاسم بن عساکن نے بیان کیا کہ ابراہیم بن عبد اللہ اللہ لہروی نے کہا کہ میں نے یزید بن ہارون سے سنا فرمایا میں نے ہزار فقہا کو پایا جن میں اکثر سے میں نے (حدیث و فقہ) لکھا لیکن ان میں سے پانچ حضرات کو میں نے زیادہ فقیہ متقی اور علم والا دیکھا افضل ان میں سے ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ تھے۔

۱۷- عَلِيُّ بْنُ حَبِيبٍ عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ الْمُبَارَكِ قَالَ دَخَلْتُ الْكُوفَةَ فَسَلَّمْتُ عَنْ أَقْبَاهِ أَهْلِهَا فَقِيلَ لِي أَبُو حَنِيفَةَ وَسَلَّمْتُ عَنْ أَوْرَعِ أَهْلِهَا فَقِيلَ لِي أَبُو حَنِيفَةَ - مناقب الامام اعظم ابی حنیفہ - جزء اول ص ۱۹۳ علی بن حبیب عبد اللہ مبارک رضی اللہ عنہ سے بیان کرتے ہیں کہ اس نے فرمایا میں کوفہ میں داخل ہوا تو پوچھا کہ سب کوفہ والوں سے زیادہ فقہ دان کون ہے پس مجھے بتایا گیا امام ابو حنیفہ پھر میں نے پوچھا یہاں سب سے زیادہ متقی کون ہے مجھے کہا گیا امام ابو حنیفہ۔ یہ بات ہر ذی شعور پر واضح ہے کہ قریب والوں کی گواہی بہ نسبت دور والوں کے زیادہ وزنی و قوی ہے کیونکہ قریب والے خلوت و جلوت کے احوال پر آگاہ ہوتے ہیں اور وہ اس کے اوصاف حمیدہ یا ذمیدہ اور علمی و عقلی قابلیت یا عدم قابلیت کو خوب جانتے ہیں لہذا امام اعظم ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ کے حق اہل کوفہ کی گواہی اس حقیقت کو واضح کرتی ہے کہ آپ فقہ و تقویٰ میں سب سے افضل و ممتاز تھے۔

۱۸- وَذَكَرَ الصُّمَيْرِيُّ بِإِسْنَادِهِ عَنْ ابْنِ الْمُبَارَكِ قَالَ كُنْتُ عِنْدَ مَالِكٍ إِذْ جَاءَ رَجُلٌ فَرَفَعَهُ فَلَمَّا خَرَجَ قَالَ اتَّذَرُونَنِي هَذَا؟ هَذَا أَبُو حَنِيفَةَ كَوُّ قَالَ هَلْهُ الْاِسْطِوَانَةُ مِنْ ذَهَبٍ لَقَامَ بِحُجَّتِهِ لَقَدْ وَفَّقَ اللَّهُ لَهُ الْفِقَّةَ - مناقب الامام الاعظم ابی حنیفہ جزء اول ص ۳۹ امام صمیری رضی اللہ عنہ نے اپنی اسناد کے ساتھ بیان کیا کہ ابن مبارک رضی اللہ عنہ نے کہا کہ میں امام مالک رضی اللہ عنہ کے پاس تھا کہ ایک شخص آئے تو آپ نے اسے بلند مقام پر بٹھایا پھر

جب وہ چلا تو امام مالک نے حاضرین سے کہا کیا تم جانتے ہو کہ یہ کون تھے یہ امام ابو حنیفہ تھے۔ ان کی شان ہے کہ اگر وہ اس سطون کو سوتا کہے دیں تو اسے دلائل سے ثابت کر دیں بے شک اللہ نے فقہ کو ان کے موافق کیا۔

امام اعظم کے وصال کی خبر سن کر کہا اہل کوفہ سے علم کی روشنی چلی گئی

۱۹- اخبرنا عمر بن ابراہیم قال ثنا مكرم قال ثنا احمد قال ثنا نصر بن عيسى قال كنا عند شعبة فقبل له مات ابو حنيفة فقال بعد ما استرجع لقد تفقني عن اهل الكوفة ضوء نور العلم اما انهم لا يرون مثله ابدا - اخبار ابی حنیفہ و اصحابہ ص ۲ نصر بن علی کا بیان ہے کہ ہم حضرت شعبہ رحمۃ اللہ علیہ کے پاس تھے پس اسے خبر دی گئی کہ امام ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ کا وصال ہو گیا تو انہوں نے اِنَّا لَفَقَدْنَاهُ پڑھنے کے بعد کہا اہل کوفہ سے علم کا نور جاتا رہا بے شک وہ اس کی مثل کبھی نہ دیکھیں گے۔

۲۰- ابوالموہب عبد الوہاب بن احمد شمرانی رحمۃ اللہ علیہ اپنی تصنیف المیزان الکبریٰ جز اول کے ص ۶۳ پر رقم طراز ہیں کہ سَمِعْتُ سَيِّدِي عَلِيًّا الْخَوَاصَّ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ مَرَّةً يَقُولُ يَجِبُ عَلَى كُلِّ مُقَلِّدٍ الْأَذْبُ مَعَ اِثْمَةِ الْمَذْهَبِ كُلِّهِمْ وَ سَمِعَ مَرَّةً بَعْضَ شَافِعِيَّةٍ يَقُولُ وَفِي هَذَا الْحَدِيثِ رَدٌّ عَلَى أَبِي حَنِيفَةَ فَقَالَ قَطَعَ اللَّهُ لِسَانَكَ وَمِثْلَكَ يَقُولُ هَذَا اللَّفْظُ إِنَّمَا الْأَذْبُ أَنَّ يَقُولَ وَلَمْ يَسْطَلِعْ الْإِمَامُ عَلَى هَذَا الْحَدِيثِ وَ سَمِعْتُ مَرَّةً أُخْرَى يَقُولُ مَذَارِكُ الْإِمَامِ أَبِي حَنِيفَةَ دَقِيقَةٌ لَا يَكَاذُ يَطْلَعُ عَلَيْهَا إِلَّا أَهْلُ الْكُشْفِ مِنْ أَكْبَابِ الْأَوَّلِيَاءِ قَالَ وَ كَانَ الْإِمَامُ أَبُو حَنِيفَةَ إِذَا رَأَى مَاءَ الْمَضَاءِ يَعْرِفُ سَائِرَ الذُّنُوبِ الَّتِي خَرَتْ فِيهِ مِنْ كِبَائِرٍ وَ صَغَائِرٍ وَ مَكْرُوهَاتٍ . الخ -

میں نے سیدی علی خواص کو ایک بار فرماتے سنا کہ ہر مقلد پر تمام آئمہ مذاہب کے ساتھ ادب واجب ہے آپ نے ایک بار کسی شافعی کو کہتے سنا کہ اس حدیث میں امام ابو حنیفہ کا رد ہے تو فرمایا: اللہ تیرے جیسے کی زبان کاٹ دے یہ لفظ کہتا ہے۔ فرمایا: ادب

عند سے روایت کی: قَالَ صَلَّى رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ثُمَّ أَقْبَلَ يَوْمَ جُحَيْفٍ فَقَالَ اتَّقُوا اللَّهَ وَنِ الْإِيمَانُ يَقْرَأُ فَمَسَّائِلَهُمْ ثَلَاثًا فَقَالُوا إِنَّا لَنَفْعَلُ قَالَ فَلَا تَفْعَلُوا حضرت انس فرماتے ہیں ایک بار حضور نے نماز پڑھائی پھر صحابہ پر متوجہ ہوئے اور فرمایا کہ کیا امام کی قرأت کی حالت میں تم تلاوت کرتے ہو صحابہ خاموش رہے حضور نے تین بار یہ سوال فرمایا تو صحابہ نے عرض کیا ہاں فرمایا آئندہ ایسا نہ کرنا۔ وہابی صاحب مذکورہ حدیث پر اعتراض کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔ بلاشبہ ان الفاظ کے ساتھ یہ روایت پائی جاتی ہے۔ مگر یہ روایت ناقص ہے مکمل روایت میں سورت فاتحہ پڑھنے کا حکم موجود ہے۔ جیسا کہ مولانا لکھنوی مرحوم تحریر کرتے ہیں۔ أَخْبَرَنَا عَبْدُ اللَّهِ بْنُ حَبَّانٍ عَنْ أَنَسٍ وَ زَاذِيحِي الْأَخْبَرِ وَ الْبَقْرَةَ أَخَذْتُكُمْ بِفَاتِحَةِ الْكِتَابِ فِي نَفْسِهِ۔ نام نہاد دین الحق ص ۳۰۰۔

الجواب اولاً: اگر ابن حبان کی روایت میں زیادتی طحاوی کی حدیث کا جزء ہوتا تو امام طحاوی اس میں اختصار نہ کرتے کیونکہ اس طرح حدیث کا آخر مستثنیٰ بنتا ہے۔ اور مستثنیٰ منہ کا ذکر بلا مستثنیٰ جائز نہیں لہذا امام طحاوی جیسا محتاط شخص ایسا نہیں کر سکتا۔ اس کی واضح دلیل خود آپ کی معانی الآثار ہے جس میں بلا کم و کسر آپ نے تمام مذاہب کے دلائل یکساں پیش کیے ہیں۔ ثانیاً: اگر ابن حبان کی زیادتی اسی حدیث کا حصہ ہوتا تو اور محدثین بھی اسے پورا نقل کرتے یہ تو آپ کے لکھنؤ صاحب کے الفاظ سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ یہ زیادتی صرف ابن حبان نے کی ہے اگر یہ بات نہ ہوتی تو وہ زائدانی آخرہ کے لفظ نہ کہتے۔

امام کے پیچھے قرأت کرنا خلاف فطرت ہے

جاء الحق سے حدیث نمبر ۱۲ طحاوی نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے۔ مَنْ قَرَأَ خَلْفَ الْإِمَامِ فَلَيْسَ عَلَى الْفِطْرَةِ۔ جو امام کے پیچھے تلاوت کرے وہ دین فطرت پر نہیں غیر مقلد کا اس پر اعتراض۔ اس کی سند میں مختار بن عبد اللہ بن ابی لیلیٰ ہیں۔ علامہ ذہبی لکھتے ہیں کہ۔ قَالَ أَبُو حَاتِمٍ مَنكَرُ الْحَدِيثِ۔ المیزان (یعنی امام

ابو حاتم نے کہا کہ مختار کے والد کے ترجمہ میں حافظ ذہبی فرماتے ہیں کہ: عَبْدُ اللَّهِ بْنُ أَبِي لَيْلَى عَنْ عَلِيٍّ لَا يُعْرَفُ وَالْخَبَرُ مُنْكَرٌ رَوَى عَنْهُ ابْنُ الْمُخْتَارِ۔ عبد اللہ بن ابی لیلیٰ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت کرتا ہے مجہول ہے اور اس کی روایت منکر ہے اس سے اس کا بیٹا مختار روایت کرتا ہے۔ علامہ ذہبی کی اس صراحت سے معلوم ہوا کہ مختار کی حضرت علی رضی اللہ عنہ سے ملاقات ثابت نہیں بلکہ وہ اپنے باپ کی وساطت سے روایت کرتا ہے لیکن طحاوی کی سند میں مختار ہے جو کہ اس کے انقطاع کی واضح دلیل ہونے کی علاوہ مختار کے کذب کا بھی واضح ثبوت ہے۔ نام نہاد دین الحق ص ۳۰۰۔

الجواب اولاً: اگر وہابی صاحب کو مختار کی عدالت پر اعتراض ہے تو ہم سیدنا علی کرم اللہ وجہہ الکریم کا یہی ارشاد دوسری سند سے دیکھا دیتے ہیں جس میں مختار موجود نہیں ملاحظہ ہو: عَبْدُ الرَّزَّاقِ عَنْ حَسَنِ بْنِ عَبَادَةَ عَنْ عَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ الْأَصْبَهَانِيِّ عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ أَبِي لَيْلَى قَالَ سَمِعْتُ عَلِيًّا يَقُولُ مَنْ قَرَأَ خَلْفَ الْإِمَامِ فَقَدْ أَخْطَأَ الْفِطْرَةَ مصنف عبد الرزاق ج ۲ ص ۱۳۷۔ عبد اللہ بن ابی لیلیٰ سے ہے کہ میں نے علی رضی اللہ عنہ کو فرماتے سنا کہ جس نے امام کے پیچھے تلاوت کی وہ دین فطرت پر نہیں واضح رہے کہ محدث عبد الرزاق امام بخاری کے اساتذہ میں سے ہیں۔ ثانیاً: الحافظ ابن حجر نے مختار کے باپ عبد اللہ بن ابی لیلیٰ کا ذکر تقریب التجدید کے صفحہ ۶۷ پر کیا مگر اس پر کوئی جرح نہیں کی۔

ثالثاً: یہ ثابت ہے کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ ان صحابہ رضوان اللہ تعالیٰ علیہم سے ہیں جو قرأت خلف امام کے سخت مخالف تھے چنانچہ صاحب فتح القدیر لکھتے ہیں:

دس صحابہ رضوان اللہ علیہم امام کے پیچھے قرأت سے منع کرتے تھے

قَدْرَوِي عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ زَيْدٍ بَنِي أَسْلَمَ عَنْ أَبِيهِ قَالَ كَانَ عَشْرَةً مِنْ أَصْحَابِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَنْهَوْنَ عَنِ الْفِرَاقَةِ خَلْفَ الْإِمَامِ أَشَدُّ النَّهْيِ أَبُو بَكْرٍ الصِّدِّيقُ وَعُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ وَعُثْمَانُ بْنُ الْغَفَّانِ وَعَلِيٌّ بْنُ أَبِي طَالِبٍ وَعَبْدُ الرَّحْمَنِ بْنُ عَوْفٍ وَسَعْدُ

بْنِ أَبِي وَقَّاصٍ وَ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ مَسْعُودٍ وَ زَيْدُ بْنُ ثَابِتٍ وَ عَبْدِ اللَّهِ بْنُ
عُمَرَ وَ عَبْدِ اللَّهِ بْنُ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُمْ۔ (بخاری ج ۱ ص ۲۳۸)

عبد اللہ بن زید بن اسلم رضی اللہ عنہ اپنے باپ زید سے روایت کرتے ہیں کہ
اصحاب نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں سے دس حضرات امام کے پیچھے قرأت کو سختی سے منع
کرتے تھے یعنی جن کے اسمائے گرامی اوپر مذکور ہیں۔

امام کے پیچھے قرأت نہ کرو اور شاذ نبوی

جاء الحق سے حدیث نمبر ۱۳ دارقطنی نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت کی:
إِنَّهُ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَفَرَأَوْا خَلْفَ الْأَمَامِ أَوْ أَنْصَتَ
قَالَ بَلْ أَنْصَتَ فَإِنَّهُ بِكَفِّكَ۔ ایک شخص نے حضور سے سوال کیا کہ میں امام کے پیچھے
تلاوت کروں یا خاموش رہوں فرمایا خاموش رہے امام تیرے لیے کافی ہے۔ اس پر وہابی
صاحب کے اعتراض ملاحظہ ہو۔

اولاً: اس کے ناقابل اعتبار ہونے کی وجہ یہ ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے
روایت کرنے میں حارث منفرد ہے اور یہ کذاب ہے اسے امام شافعی امام ابن معین اور
امام ابراہیم نخعی نے کذاب قرار دیا ہے۔

ثانیاً: حارث امور عالی شیعہ تھا حافظ ابن حجر فرماتے ہیں کذبہ شعبی فی
روایتہ ورمی بالرفض۔ اور مفتی صاحب شیعہ کی روایت کو ضعیف قرار دیتے ہیں۔

ثالثاً: اس کی سند میں محمد بن سالم ہے اسے امام ابو حاتم نے اور ابن حبان نے شیعہ
المتروک کہا ہے اور امام دارقطنی نے اسے متروک الحدیث بتایا ہے۔

رابعاً: اس کی سند میں قیس بن ربیع ہے جو کہ ضعیف ہونے کے علاوہ مطلق بھی
ہے۔

خامساً: اس کی سند میں عثمان بن ربیع ہے جو ضعیف ہے اور وہ قیس سے اس
حدیث کے روایت کرنے میں منفرد ہے۔ ہم نہاد وین الحق ص ۳۰۲

الجواب اولاً: میزان الاعتدال میں ہے کہ شعبی نے حارث امور کو جھوٹا کہا ہے لیکن

پھر اس سے حدیث بھی روایت کی ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ شعبی کے نزدیک ثابت
ہو گیا تھا کہ حارث نے اس حدیث میں جھوٹ نہیں بولا ورنہ انہیں اس سے روایت کرنا
جائز نہیں تھا جب کہ امام شعبی فقیہ محدث ہیں۔

ثانیاً: اسی حدیث کے دوسرے راوی محمد بن سالم کو وہابی صاحب نے جس تہذیب
التہذیب کی جلد نمبر ۹ صفحہ ۷۷ کے حوالہ سے متروک الحدیث لکھا ہے اسی جگہ پر ہی
حافظ ابن حجر لکھتے ہیں: وَقَالَ الطَّبْرَانِيُّ فِي مَعْجَمِهِ الصَّغِيرِ تَفَرَّدَ بِهِ مُحَمَّدُ بْنُ
سَالِمٍ عَنْ ثَابِتٍ قُلْتُ وَ ذِكْرُهُ ابْنُ حَبَّانٍ فِي الْإِقْبَاتِ۔ یعنی طبرانی نے معجم صغیر میں
کہا محمد بن سالم نے اسے ثابت سے روایت کرنے میں تفرد کیا ہے میں کہتا ہوں کہ ابن
حبان نے اسے ثقات میں ذکر کیا ہے۔ اس کا مطلب ظاہر ہے کہ محمد بن سالم کا تفرد ان
کی روایت قبول کرنے میں مضرب نہیں کیونکہ وہ ثقہ ہیں اور ثقہ کا تفرد قبول ہوتا ہے۔

جسے کثیر محدثین نے ثقہ کہا وہابی نے اسے ضعیف کہہ دیا

ثالثاً: وہابی جی کا قیس بن ربیع کو ضعیف کہنا غلط ہے ثبوت لیجئے۔

عَنْ شُعْبَةَ سَمِعْتُ أَبَا حَصِينٍ يُخْبِرُنِي عَلَى قَيْسِ بْنِ الرَّبِيعِ قَالَ وَ
قَالَ لَنَا شُعْبَةُ أَذْرَكُوا قَيْسًا قَبْلَ أَنْ يَمُوتَ وَقَالَ عَفَّانُ عَنْ مُعَاذِ بْنِ
مُعَاذٍ قَالَ لِي شُعْبَةُ أَلَا تَرَى إِلَى يَحْيَى بْنِ سَعِيدٍ يَقَعُ فِي قَيْسِ بْنِ
الرَّبِيعِ لَا وَاللَّهِ مَا إِلَى ذَلِكَ سَبِيلٌ وَقَالَ عُيَيْنَةُ اللَّهُ بْنُ مُعَاذٍ عَنْ أَبِيهِ
سَمِعْتُ يَحْيَى بْنَ سَعِيدٍ يَنْقُصُ قَيْسًا عِنْدَ شُعْبَةَ فَرَجَرَهُ وَنَهَاهُ
وَقَالَ عَفَّانُ وَ قُلْتُ لِيَحْيَى بْنَ سَعِيدٍ هَلْ سَمِعْتَ سُفْيَانَ يَقُولُ فِيهِ
يَغْلُطُهُ أَوْ يَنْكَلِمُ فِيهِ بِشَيْءٍ قَالَ لَا وَلِيَحْيَى أَفْتَتَهُمْ بِكَذِبٍ قَالَ لَا
قَالَ عَفَّانُ لَمَجَاءٍ فِيهِ بِحُجَّةٍ قَالَ حَاتِمُ بْنُ اللَّيْثِ الْجَوْهَرِيُّ عَنْ
عَفَّانَ بْنِ قَيْسٍ ثِقَّةٌ وَ ثِقَّةُ الثَّوْرِيِّ وَ شُعْبَةُ وَ عَنْ أَبِي الْوَلِيدِ كَانَ
قَيْسٌ ثِقَّةً وَ حَسَنَ الْحَدِيثِ۔

تہذیب التہذیب ج ۸ ص ۳۹۲ شعبہ سے ہے کہ میں نے ابو حصین کو قیس بن ربیع

کی خوبیاں بیان کرتے سنا کہا کہ ہمیں شعبہ نے کہا قیس سے اس کے فوت ہونے سے پہلے فائدہ حاصل کر لو اور عفان نے معاذ بن معاذ سے بیان کیا کہ مجھے شعبہ نے کہا کیا تو نے یحییٰ بن سعید کو نہ دیکھا کہ وہ قیس بن ریح میں واقع ہوا اللہ کی قسم اس اعتراض کی طرف کوئی راہ نہیں اور عبید اللہ بن معاذ نے اپنے باپ سے بیان کیا کہ میں نے یحییٰ بن سعید کو شعبہ کے پاس قیس کی تنقیص کرتے سنا تو شعبہ نے اسے جھڑک دیا اور اسے اس سے منع کیا اور عفان نے کہا کہ میں نے یحییٰ بن سعید سے پوچھا کہ کیا تم نے سفیان کو اس کی کوئی غلطی بتائی ہے اس میں جرح کرتے سنا اس نے کہا نہیں اور میں نے یحییٰ سے پوچھا آپ نے اسے متہم بالکذب کیا ہے اس نے کہا نہیں عفان نے کہا پس آیا وہ اس میں حجت کے ساتھ اور حاتم بن لیث الجویری نے عفان بن قیس سے بیان کیا کہ قیس ثقہ ہے اور امام ثوری و شعبہ نے بھی اسے ثقہ کہا ہے اور ابو ولید سے ہے کہ قیس ثقہ اور حدیث بیان کرنے میں خوب تھے۔

رابعاً: رہا غیر مقلد کا غسان بن ربیع کو ضعیف کہنا تو اس کے متعلق الحافظ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ کو سنئے کیا فرماتے ہیں: غسان بن الربیع الأزدي الموصلي سَمِعَ عَبْدَ الرَّحْمَنِ بْنَ ثَابِتٍ بْنَ ثَوْبَانَ وَاللَّيْثُ بْنُ مَعْبُودٍ وَعَنْهُ أَحْمَدُ وَيَحْيَىٰ وَأَبُو الْيَعْلَىٰ وَخَلْقٌ وَكَانَ صَالِحًا وَرَعًا لَيْسَ بِنَاسٍ بِحُجَّةٍ فِي الْحَدِيثِ قَالَ دَارُ قُطَيْبٍ ضَعِيفٌ وَقَالَ مَرْؤَةُ صَالِحًا لِسَانُ الْمِيزَانِ ج ۳ ص ۴۱۸

یعنی غسان بن ربیع ازدی موصلی نے عبد الرحمن بن ثابت بن ثوبان اور لیث بن سعد سے حدیث کی سماعت کی اور اس سے امام احمد اور یحییٰ اور ابو یعلیٰ اور خلق کثیر نے (احادیث) روایت کی اور غسان صالح متقی تھے ان کی حدیث میں کوئی اعتراض نہیں اور دار قطنی نے انہیں کبھی ضعیف اور کبھی صالح غیر ضعیف کہا۔ غور کریں کہ حضرت غسان بن ربیع سے بڑے بڑے محدثین احادیث روایت کر رہے ہیں اور حافظ ابن حجر ان کی مدح کر رہے ہیں اور دار قطنی کے ان کے بارے دو قول متضاد ہیں تو دریں صورت ان کا ضعیف کہنا قابل اعتناء نہ رہا تو پھر کیا وجہ ہے کہ انہیں ضعیف کہا جائے اور ان کی روایت

کو قابل حجت مانا جاتا جائے؟ مگر افسوس کہ وہابی صاحب اپنے مذہب کے خلاف روایتوں کے راویوں کے خواہ مخواہ عیب و نقص بیان کرنے شروع کر دیتا ہے۔ اب جاء الحق سے حدیث نمبر ۱۴ ملاحظہ ہو۔

امام کے پیچھے قرأت جائز نہیں

دار قطنی نے حضرت شعبی سے روایت کی۔ إِنْ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَا قِرَاءَةَ خَلْفَ الْإِمَامِ۔ حضور نے فرمایا کہ امام کے پیچھے تلاوت جائز نہیں غیر مقلد کا اس پر پہلا اعتراض اس کی سند میں محمد بن سالم ضعیف راوی ہیں۔ نام نہاد دین الحق ۳۰۳

الجواب: ابھی پچھلی حدیث کی بحث میں ہم ابن حجر اور ابن حبان کے حوالہ سے محمد بن سالم کی ثقاہت ثابت کر چکے ہیں۔ لہذا یہاں اسے دھرانہ لا حاصل ہے۔ غیر مقلد کا اس پر دوسرا اعتراض اسی صفحہ پر ہے کہ روایت مرسل ہے جو کہ جمہور محدثین کرام کے نزدیک ضعیف ہے۔

الجواب اولاً: امام شعبی رضی اللہ عنہ کی اس مرسل روایت کو حافظ دار قطنی نے صحیح کہا۔ سنن دار قطنی ج ۱ ص ۳۳۰

ثانیاً: علامہ ذہبی لکھتے ہیں: قَالَ أَحْمَدُ الْعَجَلِيُّ مُرْسَلُ الشَّعْبِيِّ صَحِيحٌ لَا يَسْكَدُ يُرْسَلُ إِلَّا صَحِيحًا۔ تذکرہ الحفاظ جز اول ص ۷۵ امام احمد العجلی نے کہا کہ شعبی کی مرسل روایت صحیح ہے کیونکہ وہ صحیح کو ہی مرسل بیان کرتے تھے۔ ثالثاً: علامہ ابن حجر عسقلانی لکھتے ہیں: وَقَالَ الْإِسْرَئِيلِيُّ عَنْ أَبِي دَاوُدَ مُرْسَلُ الشَّعْبِيِّ أَحَبُّ إِلَيَّ مِنْ مَرْسَلٍ نَحْنُ۔ تہذیب التہذیب ج ۵ ص ۲۸ نے آجری نے ابو داؤد سے بیان کیا کہ اس نے فرمایا کہ شعبی کی مرسل مجھے نخی کی مرسل سے بھی زیادہ پسند ہے۔

رابعاً: احتاف اور مالکیہ کے نزدیک مرسل قبول ہے بشرطیکہ تابعی کی عادت ہو کہ وہ صرف ثقات سے مرسل روایت کرتا ہو تو امام شعبی کہاں تابعین میں سے عظیم محدث ائمہ تھے اور لکھا گیا کہ وہ صرف صحیح حدیث کو ہی مرسل بیان کرتے تھے امام شافعی کے

یہاں مرسل مقبول ہونے کے لیے شرط ہے کہ کوئی دوسری مرسل یا دوسرے طریق سے بیان کی گئی مسند اس مرسل کی تائید کرے نخبہ الفکر-۶۳

خامسا: جمہور محدثین ایسی مرسل کو ضعیف نہیں کہتے جس میں ہماری بحث ہے کیونکہ ان کے نزدیک جب تابعی ثقات سے ہی مرسل بیان کرتا ہو تو توقف ہے وہ اس پر صحت و ضعف کا حکم نہیں دیتے۔ اب ہمارے بیان سے زیر بحث روایت پر غیر مقلد کے اعتراضوں کا بفضلہ تعالیٰ شافی جواب ہوا ہے مگر ضد کا کوئی علاج نہیں جہاں الحق سے حدیث نمبر ۱۵۱ یعنی قرأت کی بحث میں حضرت ابو ہریرہ سے روایت کی۔ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ كُلُّ صَلَوةٍ لَا يُفْرَءُ فِيهَا بِأَمِّ الْكِتَابِ فَهِيَ خِدَاجٌ إِلَّا صَلَوةٌ خَلَفَ الْإِمَامُ۔

حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا جس نماز میں سورۃ فاتحہ نہ پڑھی جائے وہ ناقص ہے سواء اس نماز کے جو امام کے پیچھے ہو۔ اس پر وہابی صاحب کا پہلا اعتراض۔ اس کی سند میں عبد الرحمن بن اسحاق ہے جسے امام احمد منکر الحدیث کہتے ہیں اور امام بیہقی بن معین نے اسے ضعیف قرار دیا ہے۔ پھر یہ روایت حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے عمل کے بھی خلاف ہے۔ نام نہاد دین الحق ص ۳۰۳

الجواب اولاً: عبد الرحمن بن اسحاق نام ولدیت کے دو شخص ہیں اور دونوں احادیث بیان کرتے ہیں ایک عبد الرحمن بن اسحاق بن الحارث الواسطی ابو شعبہ کوئی ہیں۔ دوسرے عبد الرحمن بن اسحاق بن عبد اللہ بن الحارث بن کنانہ المدنی ہیں۔ تقریب التجذیب ص ۱۹۸ جب کہ آپ نے جو امام احمد و بیہقی بن معین کا حوالہ دیا ہے اس میں بھی وضاحت نہیں کہ وہ کسی عبد الرحمن بن اسحاق پر جرح ہے۔

ثانیاً: اگر آپ کو عبد الرحمن بن اسحاق پر اعتراض ہے تو ہم تمہیں یہی حدیث اس سند سے دیکھا دیتے ہیں جس میں عبد الرحمن بن اسحاق نہیں ملاحظہ ہو۔ حَدَّثَنَا أَبُو بَكْرِ النِّسَاءُ بوري ثنا بخرو بن نصر ثنا يحيى بن سلام ثنا مالك بن انس ثنا وهب بن كيسان عن جابر بن عبد الله۔ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ كُلُّ

صَلَوةٍ لَا يُفْرَءُ فِيهَا بِأَمِّ الْكِتَابِ فَهِيَ خِدَاجٌ إِلَّا أَنْ يَكُونَنَّ وَرَاءَ الْإِمَامِ۔ دار قطنی ج ۱ اول ص ۳۲۷ حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ سے ہے کہ بے شک نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا جس نماز میں سورۃ فاتحہ نہ پڑھی جائے وہ ناقص ہے سوائے اس نماز کے جو امام کے پیچھے ہو۔

ثالثاً: غیر مقلد کا یہ اعتراض کہ زیر بحث روایت حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے عمل کے بھی خلاف ہے۔ الجواب: اگر آپ کے بقول حضرت ابو ہریرہ کا عمل زیر بحث روایت کے خلاف ہوتا اس کے ضعف کا سبب ہے تو امام مسلم نے ابو ہریرہ سے ہی مرفوع حدیث اِنَّمَا جُعِلَ الْإِمَامُ لِيُؤْتَمَّ بِهِ۔ امام اس لیے بنایا جاتا ہے کہ اس کی اقتدا کی جائے۔ کو نقل کرنے کے بعد صحیح کہا ہے کیا امام مسلم کو معلوم نہیں تھا کہ ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا عمل اس کے خلاف ہے۔ زیر بحث روایت پر غیر مقلد کا دوسرا اعتراض حدیث میں: اَلَا صَلَوةٌ خَلَفَ الْإِمَامُ۔ کے الفاظ مندرج ہیں۔ نام نہاد دین الحق ص ۳۰۳ الجواب۔ جی ہاں اس لیے مندرج ہیں کہ یہ الفاظ وہابی مذہب کے خلاف ہیں۔

ثانیاً: اگر اس کے آخر الفاظ تمہارے نزدیک مندرج ہیں تو جس مرفوع حدیث کا ابھی ذکر ہوا ہے کہ امام مسلم نے اسے صحیح کہا ہے اس کو ہی مان لو جب کہ قوم وہابیہ کا دعویٰ یہ ہے کہ جو مرفوع حدیث صحیح ثابت ہو جائے اس پر عمل واجب ہے تو پھر اس صحیح مرفوع حدیث کا کیا قصور ہے۔

جو امام کے پیچھے قرأت کرے کا شکہ اس کے منہ میں پتھر ہو

جاء الحق سے حدیث نمبر ۱۶ تا ۱۷ امام محمد نے اپنی موطا اور عبد الرزاق نے منصف میں حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی: قَالَ لَيْتَ فِيَّ فَمِ الَّذِي يُفْرَءُ خَلَفَ الْإِمَامَ حَبَجًا۔ جو امام کے پیچھے تلاوت کرے کاش اس کے منہ میں پتھر ہو۔ اس پر غیر مقلد کا پہلا اعتراض۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کرنے والا ابن عجلان ہے اور ان کی حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے ملاقات و سماع ثابت نہیں حافظ ابن حجر نے انہیں پانچویں طبقہ کے راویوں میں شمار کیا ہے اور انہوں نے نہ مقدمہ تقریب میں خود

صراحت کی ہے کہ یہ وہ طبقہ ہے جس کی ایک دو صحابہ سے ملاقات ثابت ہو۔ نام نہاد دین الحق ص ۳۰۷

الجواب: جب آپ کو اقرار ہے کہ اس طبقہ کی صحابہ کرام سے ملاقات خارج از امکان نہیں بلکہ اس طبقہ میں شمول کی شرط ہے کہ ان کی صحابہ سے ملاقات ثابت ہو خواہ ایک دو سے ہی ہو پھر آپ محمد بن عجلان کی حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ملاقات کی نفی کسی دلیل سے کرتے ہیں بلا دلیل محض غن پر تو وہابی جی کی بات کوئی نہیں سنے گا۔

غیر مقلد کا دوسرا اعتراض

ابن عجلان مدلس ہے۔ ابن حبان نے اسے مدلس کہا ہے۔ الجواب: محمد بن عجلان ثقہ ہیں امام احمد و یحییٰ بن معین نے اسے ثقہ کہا ہے اور حافظ ذہبی نے الکشف میں اسے الفقیہ الصالح لکھا ہے۔ التعلیق المحمد علی موطا امام محمد ص ۱۰۲

غیر مقلد کا تیسرا اعتراض

پہلے صحیح سند کے ساتھ گزر چکا ہے کہ حضرت عمر فاروق سری اور جہری نمازوں میں فاتحہ خلف الامام پڑھنے کا حکم فرمایا کرتے تھے لہذا اس کے مقابلہ میں اس منقطع اثر کو پیش نہیں کیا جاسکتا۔ نام نہاد دین الحق ص ۳۰۷

الجواب ہم بیان کر چکے ہیں کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ ان دس کبار صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم سے ہیں جو امام کے پیچھے قرأت کو سختی سے منع فرماتے تھے۔ مولانا حکیم الامت مفتی احمد یار خاں نعیمی رحمۃ اللہ علیہ حدیث نمبر ۱۸ تا ۲۴ کے تحت لکھتے ہیں۔ امام طحاوی نے حضرت عبد اللہ بن مسعود زید بن ثابت عبد اللہ بن عمر ابن عباس جابر بن عبد اللہ حضرت علقمہ حضرت علی مرتضیٰ حضرت عمر وغیرہم صحابہ کرام سے مکمل اسنادوں سے روایات پیش کی ہیں کہ یہ تمام حضرات امام کے پیچھے قرأت کے سخت خلاف تھے ان میں سے کوئی صاحب فرماتے ہیں کہ جو امام کے پیچھے تلاوت کرے اس کے منہ میں آگ ہو کوئی فرماتے ہیں اس کے منہ میں پتھر ہو کوئی فرماتے ہیں وہ فطرت کے خلاف ہے۔ اگر ہم کو اس رسالہ کے بڑ جانے کا اندیشہ نہ ہوتا تو وہ تمام

روایات یہاں نقل کرتے ان کے علاوہ قرأت خلف الامام کے خلاف بہت زیادہ احادیث ہیں جن میں سے ہم نے صرف ۲۴ پر کفایت کی اگر کسی کو ان کے مطالعہ کا شوق ہو تو طحاوی شریف موطا امام محمد صحیح البہاری اور ہمارا حاشیہ بخاری نعیم البہاری وغیرہ کتب کا مطالعہ کرے۔

وہابی صاحب نے اس کے جواب میں چند سطور لکھی ہیں جو کہ جھوٹ و غلط بیانی پر مبنی ہیں۔ چنانچہ لکھتے ہیں: قارئین کرام آپ نے پوری بحث کو پڑھ لیا ہے مفتی صاحب نے کل چھ احادیث پیش کی ہیں جن میں پانچ ضعیف ہیں اور ایک میں فاتحہ خلف الامام پڑھنے کی صراحت ہے اور آثار کی حقیقت بھی آپ دیکھ ہی لی ہے رہاں فلاں فلاں کتب کا مطالعہ کرنے کا مشورہ تو سنئے مولانا عبدالحی نکھوی مرحوم مفتی لکھتے ہیں کہ: اِنَّهُ لَمْ يَرِدْ حَدِيثٌ مَرْفُوعٌ صَحِيحٌ الْمُنْهَى عَنْ قِرَاءَةِ الْفَاتِحَةِ خَلْفَ الْاِمَامِ وَكُلُّ مَا ذَكَرُوهُ مَرْفُوعًا فِيهِ اِمَّا لَا اَصْلَ لَهُ وَاِمَّا لَا يَصِحُّ (التعلیق المحمد) کسی صحیح مرفوع حدیث میں فاتحہ خلف الامام سے منع نہیں کیا گیا اور جو اس سلسلہ میں پیش کی جاتیں ہیں یا تو وہ بے اصل ہیں (موضوع) یا وہ صحیح نہیں ہیں۔ نام نہاد دین الحق ص ۳۱۰

الجواب اولاً: مفتی احمد یار خاں نعیمی رحمۃ اللہ علیہ کی قرأت خلف کے منع پر پیش کردہ چوبیس حدیثوں کو کل چھ حدیثیں ماننا وہابی جی کی جہالت ہے کیونکہ محدثین نے اسناد مختلف ہونے پر ایک حدیث کو متعدد بار ذکر کیا مثال کے طور پر مسلم شریف کو دیکھ لیں کہ امام مسلم ایک حدیث کو ذکر کے بعد فرماتے جاتے ہیں رواہ مثلاً۔ مثلاً مثلاً یا رواہ مثلاً مثلاً حدیث وغیرہ نیز اگر اسناد متعدد ہونے سے روایت متعدد نہ ہو تو پھر متابع اور شاید تصور ہی نہ ہو۔ ثانیاً: صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم کے اقوال مبارکہ پر مفتی صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے حدیث کا اطلاق کیا جب کہ وہابی صاحب نے ان کو حدیث میں شامل نہیں کیا ان پر اثر کا اطلاق کیا حالانکہ کتب اصول حدیث میں صراحت ہے کہ جب صحابی اسرائیلیوں سے روایت نہ کی ہو اور اس میں اس کے قیاس کو دخل نہ ہو تو صحابی کا قول بھی حکماً مرفوع حدیث ہے مگر وہابی جی جہالت کی وجہ سے اقوال صحابہ پر حدیث کا

اطلاق نہیں کرتے۔

غیر مقلد کے جھوٹ و خیانت کی نشان دہی

چلا: وہابی جی نے جھوٹ و خیانت کی حد کر دی کہ عبدالحی صاحب جس عبارت کے ناقل ہیں اور نقل بھی اس کو اعتراض و انکار کے طور پر کر رہے ہیں۔ وہابی جی نے اس کا پہلا حصہ فیہ بنظر کو چھوڑ دیا اس کے بعد کو اس نے اس کی اپنی عبارت اور موقف قرار دے دیا۔ حالانکہ پوری عبارت یوں ہے۔ وَلَيْسَ لَنَا نَظَرٌ وَهُوَ أَنَّهُ لَمْ يَرِدْ فِيهِ حَدِيثٌ مَرْفُوعٌ صَحِيحٌ الْمُنْهَى عَنْ قِرَاءَةِ الْقُرْآنِ خَلْفَ الْإِمَامِ وَكُلُّ مَا ذَكَرُوهُ مَرْفُوعًا فِيهِ إِمَّا لَا أَصْلَ لَهُ وَإِمَّا لَا يَصِحُّ۔ اور اس میں نظر ہے اس کہنے میں کہ اس میں کوئی مرفوع صحیح حدیث نہ آئی جو امام کے پیچھے فاتحہ پڑھنے کو منع کرے اور ہر وہ جو انہوں نے اس میں مرفوع ذکر کیا تو اس کی اصل نہیں یا وہ صحیح نہیں۔ اب وہابی صاحب نے ان الفاظ (فیہ بنظر) کو چھوڑ دیا جو وضاحت کرتے ہیں کہ مذکورہ عبارت عبدالحی صاحب کا موقف نہیں بلکہ ان کا اس پر اعتراض ہے جو کہا گیا کہ اس میں کوئی صحیح مرفوع حدیث نہیں آئی اب مقام غور ہے کہ ان وہابیوں پر کیسے اعتماد ہو جو اپنے مذہب و معمول کی خاطر مسئلہ کا علیہ ہی بگاڑ دیں۔

امام کے پیچھے منع قرأت کی حدیث کی صحت پر عبدالحی صاحب کی گواہی

رابعاً: عبدالحی صاحب نے امام کے پیچھے قراءت کے منع پر کئی احادیث کی صحت بیان کی ہے مثلاً حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی حدیث کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا مَنْ صَلَّى خَلْفَ الْإِمَامِ فَإِنَّ قِرَاءَةَ الْقُرْآنِ لَهُ قِرَاءَةٌ۔ موطا محمد ص ۹۸ کے تحت عبدالحی لکھتے ہیں:

وَمِنْهُمْ جَابِرُ بْنُ عَبْدِ اللَّهِ وَلِحَدِيثِهِ طُرُقٌ مِنْهَا طَرِيقُ مُحَمَّدٍ عَنْ أَبِي حَنِيفَةَ عَنْ مُوسَى بْنِ أَبِي عَائِشَةَ عَنْ ابْنِ شَدَادٍ عَنْ جَابِرٍ وَهُوَ أَحْسَنُ طَرِيقِهِ حَكَمَ عَلَيْهِ ابْنُ الْهَمَامِ بِأَنَّهُ صَحِيحٌ عَلَى شَرْطِ الشُّبُهَانِ وَقَالَ هُوَ حَدِيثٌ صَحِيحٌ إِمَّا أَبُو حَنِيفَةَ فَأَبُو حَنِيفَةَ وَ

مُوسَى ابْنُ أَبِي عَائِشَةَ الْكُوفِيُّ مِنَ الْبِقَاتِ الصَّابِ مِنْ رِجَالِ الصَّحَابَةِ وَعَبْدُ اللَّهِ بْنُ شَدَادٍ مِنْ كُتَّابِ الشَّامِيِّينَ وَتَقَاتِهِمْ وَهُوَ حَدِيثٌ صَحِيحٌ۔ ائسی۔ اعلین المجد علی موطا امام محمد ص ۹۸۔

یعنی جنہوں نے امام کے پیچھے قرأت کے عدم جواز پر حدیثیں بیان کیں ان میں سے حضرت جابر بن عبد اللہ ہیں اور اس کی حدیث کے کئی طریق ہیں اس میں سے ایک سند میں امام محمد امام ابو حنیفہ سے روایت کرتے ہیں امام ابو حنیفہ موسیٰ بن ابی عائشہ سے وہ ابن شداد سے وہ حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے اور یہ اس حدیث کے تمام طرق سے بہت خوب ہے اس کے بارے امام ابن ہمام نے فرمایا کہ سند اس کی شیخین کی شرط پر صحیح اور کہا یہ حدیث صحیح ہے کیونکہ اس کی سند میں ابو حنیفہ ہیں تو ابو حنیفہ کا کیا کہنا اور موسیٰ بن ابی عائشہ کوئی ہیں جو کہ ثقات و شہات سے ہیں صحیحین کے رجال سے اور عبد اللہ بن شداد کہار شامیوں سے ان کے ثقات سے ہیں البتہ یہ حدیث صحیح ہے۔ اب تو پتہ چلا کہ غیر مقلد کے اس کہنے میں کچھ حقیقت نہیں کہ عبدالحی صاحب کے نزدیک امام کے پیچھے قرأت کے عدم جواز پر کوئی مرفوع حدیث نہیں آئی جس کی کوئی اصل ہو۔ احادیث مبارکہ کے بعد مفتی احمد یار خاں نعیمی رحمۃ اللہ علیہ امام کے پیچھے تلاوت کے عدم جواز پر عقلی دلائل دیتے ہوئے فرماتے ہیں کہ عقل بھی چاہتی ہے کہ مقتدی امام کے پیچھے تلاوت نہ کرے چند وجوہ سے۔

امام کے پیچھے منع قرأت پر عقلی دلائل

نماز میں جیسے سورۃ فاتحہ پڑھنا ضروری ہے ایسے ہی سورۃ طائی بھی ضروری ہے مسلم شریف میں ہے۔ لَا صَلَاةَ لِمَنْ لَمْ يَقْرَأْ بِأَمِّ الْقُرْآنِ فَصَاعِدًا۔ اس کی نماز نہیں ہوتی جو سورۃ فاتحہ اور کچھ اور نہ پڑھے۔

غیر مقلدین بھی مانتے ہیں کہ مقتدی امام کے پیچھے سورۃ نہ پڑھے تو چاہیے کہ سورۃ

فاتحہ بھی نہ پڑھے کہ جیسے سورۃ فاتحہ میں امام کی قرأت کافی ہے ایسے ہی سورۃ فاتحہ میں بھی کافی ہے۔

۲۔ جو کوئی رکوع میں امام کے ساتھ مل جائے اُسے رکعت مل جاتی ہے اگر مقتدی پر سورۃ فاتحہ پڑھتی لازم ہوتی تو اُسے رکعت نہ ملنی چاہیے تھی۔ دیکھو اگر یہ شخص تکبیر تحریمہ نہ کہے یا تکبیر تحریمہ کے ساتھ ایک تسبیح کے بقدر قیام نہ کرے بلکہ سیدھا رکوع میں چلا جائے تو اسے رکعت نہ ملے گی کیونکہ تکبیر تحریمہ اور قیام مقتدی پر فرض ہے تو ایسے ہی اگر اس پر سورۃ فاتحہ فرض ہوتی تو اس کے بغیر رکعت نہ ملتی معلوم ہوا کہ امام کی قرأت اُس کے لیے کافی ہے جب اس مقتدی کے لیے قرأت ساقط ہوگئی تو چاہیے کہ دوسرے مقتدیوں سے بھی ساقط ہو۔

۳۔ اگر مقتدی پر قرأت فاتحہ بھی ہو اور آمین بھی تو بتاؤ کہ اگر امام مقتدی سے پہلے سورۃ فاتحہ سے فارغ ہو جاوے تو یہ مقتدی جو ابھی فاتحہ کے بیچ میں ہے آمین کہے یا نہ کہے تو اپنی فاتحہ ختم کر کے بھی آمین کہے یا نہ کہے جو بھی جواب دو حدیث دکھا کر دونہ دو آمین جائز ہیں۔ نہ فاتحہ کے بیچ میں آمین درست ہے۔

۴۔ اگر مقتدی فاتحہ کے بیچ میں ہو اور امام رکوع میں چلا جائے تو بتاؤ یہ مقتدی آدمی فاتحہ چھوڑ دے جو بھی جواب دو حدیث دکھاؤ اپنی عقل قیاس سے جواب نہ دینا۔ مشرق مغرب کے علماء اجماعاً یہ عام ہے کہ ان سوالات کے جواب تمام حضرات مل کر مشورہ کر کے دیں مگر شرط یہ ہے کہ حدیث صریح سے دیں محض اپنی رائے شریف سے نہ دیں انشاء اللہ نہ دیں سبکیں گے تو چاہیے کہ ضد چھوڑ دیں اور احناف کی طرح حکم قرآن حدیث پر عمل کریں کہ امام کے پیچھے قرأت نہ کیا کریں۔

۵۔ شاہی دربار میں جب کوئی وفد جاتا ہے تو دربار کے آداب سب بجالاتے ہیں مگر عرض معروض سب نہ کریں گے جو نمائندہ ہو گا وہی کرے گا ایسے ہی نماز باجماعت رب کی بارگاہ میں وفد کی شکل میں حاضر ہیں تو تکبیر تسبیح تشہد وغیرہ سب

پڑھیں کہ یہ اس دربار کا سلامی مجرا ہے سب ادا کریں مگر تلاوت قرآن جو عرض معروض ہے۔ صرف قوم کا نمائندہ کرے یعنی امام۔

عقلی دلائل کا جواب دینے سے وہابی کا فرار

واضح رہے کہ مفتی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے ان جامع و مانع اور تحقیقی عقلی دلائل کا وہابی جی نے کوئی جواب نہیں دیا جو اس کے فرار و شکست کا واضح ثبوت ہے نیز اگر وہابی جی کے پاس ان دلائل کا کچھ مل و جواب ہوتا تو ضرور سامنے لاتا کیونکہ مفتی احمد یار خاں نعیمی رحمۃ اللہ علیہ نے پوری دنیا وہابیت کو جواب دینے پر کھلا چیلنج دیا اس کے باوجود طائفہ وہابیہ سے اس کا کچھ جواب نہ بن آتا ان کی مذہبی کمزوری وہابی کی دلیل ہے۔ خیر ان حضرات کی کچھ مجبوریاں ہم بھی سمجھتے ہیں جو کہ جوابات کے لیے مانع ہیں۔

اول یہ کہ جواب دینے میں وہابی بھرم کے بے نقاب ہونے کا خوف تھا۔

دوم یہ کہ وہابی مذہب میں کھلا تضاد پایا جاتا ہے یہاں تک کہ ایک مسئلہ کو ثابت کرنے سے دوسرے کی نفی لازم آتی ہے۔ مفتی صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے مخالفین سے اپنی ذہانیت و فراست کا سکا منوانے کو انہیں تضاد کو پیش نظر رکھتے ہوئے سوالات کئے ہیں کہ جن کے جواب غیر مقلدوں کے لیے آگے آگ اور پیچھے دیوار کی مثل ہیں۔

سوم مفتی صاحب نے صریح حدیث دیکھا کے جواب دینے کا مطالبہ کر کے انہیں ایسی دل دل میں پھنسا دیا۔ جس سے لکھنا ان کے لیے ناممکن تھا کیونکہ ان مذہبی قیدیوں کے پاس کوئی صریح حدیث ہوتی تو تب ہی اس کا جواب دیتے تو ان وجوہات و مشکلات کے پیش نظر وہابی صاحب نے مفتی صاحب کے مذکورہ عقلی دلائل کا ذکر نہ کرنے میں ہی عافیت و بھلائی جانی کہ کہیں قوم کے سامنے رسوائی نہ ہو۔

اب جاہ الحق سے فصل دوم اس مسئلہ پر سوالات و جوابات کے متعلق ملاحظہ ہو مفتی احمد یار خاں نعیمی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: اس مسئلہ پر غیر مقلدین جس قدر اعتراضات کر سکتے ہیں ہم بفضلہ تعالیٰ ہر ایک کو نقل کر کے سب کے جوابات علیحدہ علیحدہ دیتے ہیں اور جس سلیقے سے ان کے سوالات ہم نقل کر رہے ہیں انشاء اللہ اس طریقہ سے وہ بھی نہ

کر سکیں گے رب تعالیٰ قبول فرمائے۔

اعتراض نمبر ۱: آیہ کریمہ۔ وَإِذَا قُرِئَ الْقُرْآنُ۔ میں قرآن سے مراد جمعہ کا خطبہ ہے نہ کہ مقتدی کی نماز جیسا کہ بعض مفسرین نے اسی آیت کے ماتحت فرمایا لہذا خطبہ جمعہ کے وقت خاموشی ضروری ہے مگر مقتدی کا سورہ فاتحہ پڑھنا منع نہیں۔

جواب یہ غلط ہے کیونکہ یہ آیت کریمہ مکہ ہے سورہ اعراف کی آیت ہے اور جمعہ کی نماز و خطبہ مدینہ منورہ میں بعد ہجرت شروع ہوئے پھر اس آیت میں خطبہ مراد کیسے ہو سکتا ہے۔ دوسرے یہ کہ اگر بغرض محال مان لو تب بھی چونکہ آیت میں خطبہ کی قید نہیں صرف قرأت قرآن کا ذکر ہے لہذا یہ حکم سب کو شامل ہے کیونکہ آیت کے عموم کا لحاظ ہوتا ہے نہ کہ شان نزول کی خصوصیت کا تیسرے یہ کہ جب خطبہ میں لوگوں کو بولنا حرام ہے حالانکہ سارا خطبہ قرآن نہیں بلکہ اس میں ایک دو آیات قرآن کی پڑھی جاتی ہیں تو امام کے پیچھے جب کہ سارا قرآن ہی پڑھا جا رہا ہے خاموشی کیوں ضروری نہ ہوگی۔ تعجب ہے کہ آپ خطبہ جمعہ کے لیے تو خاموشی ضروری کہتے ہیں اور امام کے پیچھے نہیں۔

واضح رہے کہ مفتی احمد یار خاں نعیمی رحمۃ اللہ علیہ کے مذکورہ ثبت و مسکت جواب پر وہابی کی طرف سے کوئی نقص اعتراض وارد نہیں ہوا بلکہ یہاں بھی خاموشی میں ہی مصلحت و بھلائی دیکھی ہے نیز اس مجبوری کا بھی ان بے چاروں کو سامنا ہے جو مفتی صاحب نے فرمایا کہ آیت مکہ ہے اور خطبہ جمعہ مدینہ منورہ میں شروع ہوا جب خطبہ جمعہ کا وجود ہی نہ تھا اس کے متعلق احکام پہلے کیسے آگئے اب اس کا ان کے پاس کوئی توجہ جواب ممکن نہیں تھا۔ دوم یہ فرما کر مفتی صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے ان مذہبی قیموں کو عاجز و بے بس کر دیا کہ جب خطبہ میں لوگوں کو بولنا حرام ہے حالانکہ سارا خطبہ قرآن نہیں بلکہ اس میں ایک دو آیات قرآن کی پڑھی جاتی ہیں۔ تو امام کے پیچھے جب سارا قرآن ہی پڑھا جا رہا ہے خاموشی کیوں ضروری نہ ہوگی؟ اب اس کا وہابی بے چارا کیا جواب دیتا تو مجبوراً خاموشی ہی بہتر جانی۔

اعتراض نمبر ۲: آیت۔ وَإِذَا قُرِئَ الْقُرْآنُ۔ میں مشرکین مکہ سے خطاب ہے جو حضور

کی تلاوت کے وقت شور مچاتے تھے اور آیت کا منشا یہ ہے کہ قرآن پڑھتے وقت دنیاوی باتیں کر کے شور نہ کیا کرو۔ لہذا سورہ فاتحہ پڑھنا اس میں داخل نہیں۔

جواب یہ بھی غلط ہے۔ آیت میں خطاب مسلمانوں سے ہے کیونکہ کفار پر کوئی عبادت واجب نہیں جب تک کہ ایمان نہ لائیں۔ قرآن سننا بھی عبادت ہے یہ ان پر بغیر ایمان لائے کیسے واجب ہوگی۔ دوسرے یہ کہ آیت کریمہ کے آخر میں ہے لَعَلَّكُمْ سُرْحَمُونَ تاکہ تم پر رحمت کی جائے۔ قرآن سننے سے رحمت صرف مسلمانوں پر آتی ہے کافر ایمان کے بغیر کوئی بھی نیکی کرے رحمت کا مستحق نہیں رب فرماتا ہے: وَمِنْهُمْ مَّنْ يَسْتَمِعُ إِلَيْكَ وَجَعَلْنَا عَلَى قُلُوبِهِمْ أَكِنَّةً۔ یعنی بعض کفار آپ کی طرف کان لگاتے ہیں ہم نے ان کے دلوں پر پردے ڈال دیے۔ دیکھو کفار کا کان لگنا مفید نہ ہوا۔ اور فرماتا ہے۔

وَقَدْ مَنَّ اللَّهُ عَلَى النَّاسِ إِذْ أَنْزَلَ فِيهِ الْفُرْقَانَ۔ اور جو کچھ انہوں نے کام کیے تھے ہم نے قصد فرما کر انہیں ہار یک غبار کے ریزوں کی طرح بنا دیا۔

اگر کافر سارا قرآن حفظ بھی کرے اور روزانہ تلاوت بھی کیا کرے تب بھی ثواب کا مستحق نہیں بغیر وضو نماز درست نہیں بغیر ایمان کوئی عبادت قبول نہیں۔ دوسرے یہ کہ قرآن کریم میں ارشاد ہوا (وَأَنْصِتُوا) خاموش رہو۔ خاموشی کے معنی یہ ہیں کہ نہ بات کرو نہ کچھ پڑھو اگر سورہ فاتحہ پڑھتے رہے تو خاموشی کہاں ہوئی غرض یہ کہ یہ آیت نہ تو کفار کے حق میں نازل ہوئی نہ خطبہ جمعہ کے لیے نماز پڑھنے کو امام کے پیچھے قرأت سے روکنے کے لیے نازل ہوئی۔

آیت: وَإِذَا قُرِئَ الْقُرْآنُ کا شان نزول

چنانچہ تہمتی شریف میں حضرت مجاہد سے روایت ہے:

قَالَ كَانَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَآلِهِ وَسَلَّمَ يَقْرَأُ فِي الصَّلَاةِ فَسَمِعَ نَوَافَةَ فَتَنَى مِنَ الْأَنْصَارِ فَنَزَلَ۔ وَإِذَا قُرِئَ الْقُرْآنُ۔ اس بھاری۔ حضور صلی اللہ علیہ

والہ وسلم نماز میں قرأت فرما رہے تھے کہ آپ نے ایک انصاری جو ان کی قرأت سنی جب یہ آیت کریمہ نازل ہوئی۔ **وَإِذَا قُرِئَ الْقُرْآنُ**۔ ابن مردویہ نے اپنی تفسیر میں اسناد کے ساتھ معاویہ بن قرہ سے روایت کی کہ انہوں نے حضرت عبد اللہ بن مغفل صحابی رسول سے اس آیت کے نزول کے بارے میں پوچھا تو انہوں نے جواب دیا۔ **قَالَ اِسْمَا نَزَلَتْ هَذِهِ الْآيَةُ**۔ **وَإِذَا قُرِئَ الْقُرْآنُ**۔ (الح) **فِي الْقُرْآنِ خَلْفَ الْإِمَامِ**۔ **إِذَا قُرِئَ الْإِمَامُ قَامَ سَمِيعٌ وَأَنْصَتُ**۔ (بہاری) آیت **وَإِذَا قُرِئَ**۔ (الح) امام کے پیچھے قرأت کرنے کے متعلق نازل ہوئی لہذا جب امام قرأت کرے تو کان لگا کر سنو اور خاموش رہو۔ اس پر غیر مقلد کے اعتراضات لکھتے ہیں۔ اب آئیے مفتی صاحب کے ان جوابات کی طرف جو انہوں نے دفاعی پوزیشن میں دیئے ہیں۔ فرماتے ہیں کہ: انصات کا یہ معنی ہے کہ خاموش رہنا کہ نہ بات کرو نہ کچھ پڑھو۔ الجواب انصات کا معنی محض خاموش رہنا نہیں ہے بلکہ سکوت مع الاستماع ہے۔ نام نہاد دین الحق ص ۸۶

وہابیوں کی عادت ہے کہ ضد نہیں چھوڑتے

الجواب اولاً: فرقہ وہابیہ کی عادت قدیمہ ہے کہ ضد نہیں چھوڑتے مخالفت میں کچھ نہ کچھ کہتے ضرور ہیں خواہ کہ وہ ان کے اپنے ہی مذہب کے خلاف ہو یہی دیکھ لیں کہ ابھی پیچھے یہ صاحب یہ ثابت کرنے پر زور دے رہا تھا کہ اگر امام کے پیچھے بلند آواز سے قرأت نہ کی جائے بلکہ آہستہ کی جائے تو آیت **وَإِذَا قُرِئَ الْقُرْآنُ** کے خلاف نہیں۔ اب چونکہ مفتی صاحب کی مخالفت کرنا اس پر خود ساختہ مذہبی فرض تھا اس لیے کہے دیا کہ انصات کا معنی خاموش رہنا نہیں بلکہ سکوت مع الاستماع ہے یعنی خاموش اور کان لگا کر سننے دونوں کو لازم کرتا ہے۔ اب وہابیوں کو چاہیے کہ اپنے گھر کے مفتی کی مان کر امام کے پیچھے قرأت نہ کریں بلکہ امام کی قرأت کان لگا کر سنیں۔

ثانیاً: موثقہ محل کے مطابق انصات کا جو معنی مفتی صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے کیا ہے وہی درست ہے کیونکہ آیہ مبارکہ میں ہے **وَإِذَا قُرِئَ الْقُرْآنُ فَاسْتَمِعُوا لَهُ**

وَأَنْصِتُوا۔ اور جب قرآن پڑھا جائے تو اسے کان لگا کر سنو اور خاموش رہو۔ اگر بقول وہابی محض **أَنْصِتُوا** کا معنی کیا جائے کہ خاموش رہے کر کان لگا کر سنو تو پھر **فَاسْتَمِعُوا لَهُ**۔ کا کیا معنی ہوا؟ کیا یہ معاذ اللہ بے معنی ہے۔ وہابی صاحب کا دوسرا اعتراض۔ مفتی صاحب نے بیہقی شریف اور تفسیر ابن مردویہ کے حوالہ سے ثابت کیا ہے کہ آیت **وَإِذَا قُرِئَ الْقُرْآنُ** کا نزول مقتدی کو امام کے پیچھے قرأت سے منع کے بارے ہے۔ وہابی کو اعتراض ہے کہ بیہقی کی روایت کی سند میں قاضی عبد الرحمن بن حسن ضعیف ہے نیز قاضی عبد الرحمن بن حسن نے یہ روایت امام ابراہیم بن حسین کے واسطے سے کی ہے حالانکہ عبد الرحمن ۷۰ھ میں پیدا ہوئے تھے اور امام ابراہیم نے اس سے قبل درس تفسیر دینا ہی ترک کر دیا تھا۔ یہی وجہ ہے کہ امام بیہقی نے اسے منقطع قرار دیا ہے۔ نام نہاد دین الحق ص ۲۸

الجواب اولاً: وہابی صاحب راوی عبد الرحمن کے باپ کا نام حسن غلط بتا رہے ہیں بیہقی میں اس کے باپ کا نام حسین آیا ہے اور اس کے استاد ابراہیم کا نام وہابی صاحب حسین بتا رہے ہیں جب کہ اسے میزان ج ۲ ص ۵۵۶۔ اب پہلے مفتی صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے غیر مقلدوں کے رد میں فرمایا ہے آیت **وَإِذَا قُرِئَ الْقُرْآنُ**۔ محض خطبہ جمعہ کے بارے نہیں اور اس کے نزول کا تعلق کفار مکہ سے بھی نہیں وہابی کو چاہیے تھا کہ کسی صحیح حدیث سے ثابت کرنا کہ مذکورہ آیت کا شان نزول خطبہ جمعہ کے متعلق ہے یا کفار مکہ کے بارے ہے اور اس کی مراد مقتدی کو امام کے پیچھے قرأت سے منع کرنا نہیں۔

ثالثاً: تفسیر ابن مردویہ کے علاوہ بھی اس باب کے شروع میں تفاسیر کے حوالوں سے مفتی صاحب نے ثابت کیا ہے کہ زیر بحث آیت کا تعلق مقتدی کے بارے میں ہے کہ وہ خاموش رہے اور امام کی قرأت کان لگا کر سننے اب وہابی صاحب کا ذمہ ہے کہ حدیث صحیح بیان کرے کیا پھر یہ سب مفسرین غلطی پر ہیں۔

غیر مقلد کا تیسرا اعتراض

روایت کے الفاظ ہیں کہ انصاری سے سنا حالانکہ مفتی صاحب بھی اقراری ہیں کہ آیت **وَإِذَا قُرِئَ الْقُرْآنُ** مکہ مکرمہ میں نازل ہوئی لہذا انصاری سے مکہ میں کیے سنا۔
الجواب: فقیر پوچھتا ہے وہابی جی آپ بتائیں کہ کیا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ہجرت فرمانے سے قبل انصار کا مکہ میں جا کر ایمان لانا ثابت نہیں؟ اگر ثابت ہے اور ضرور ثابت ہے تو پھر وہاں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اقتداء میں نماز پڑھنا بھی حقیقت ہو سکتا ہے لیکن وہابی صاحب بلا دلیل قیاس آرائیاں کر رہا ہے۔

غیر مقلد کا چوتھا اعتراض

فَسَمِعَ قِرَاءَةَ کے الفاظ اس بات کا قرینہ قوی ہیں کہ اس جوان نے بلند آواز سے قرأت کی تھی اور یہ ہمارے نزدیک بھی ناجائز ہے۔ نام نہاد دین الحق ص ۲۸۷۔ الجواب لگتا ہے کہ وہابی جی کی عقل میں ہمارا موقف نہیں آیا وہابی صاحب ہمارا موقف ہے کہ انصاری جوان کا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے قرأت کرنا آیت **وَإِذَا قُرِئَ الْقُرْآنُ** کے نزول کا سبب ہے اور جو کسی آیت کے اترنے کا سبب ہو اس آیت میں حکم سبب سے مختلف نہیں ہوتا اگر مراد لی جائے کہ اللہ نے مقتدی کو امام کے پیچھے جہری قرأت سے منع کیا ہے تو یہ مذکورہ آیت مبارکہ کے خلاف ہے کیونکہ اس میں اللہ تعالیٰ نے **أَنْصِتُوا** فرما کر خاموشی کا حکم دیا ہے۔ پیچھے جا، الحق سے گزرا کہ مفتی صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے آیت **وَإِذَا قُرِئَ الْقُرْآنُ** کے شان نزول پر بیہوشی کے ساتھ تفسیر ابن مردویہ سے بھی حوالہ دیا تھا۔

اس پر غیر مقلد کا اعتراض

اس کی سند میں ابو مقداد ہشام بن زیاد ہے۔ امام ابن حبان فرماتے ہیں **بِسْرُوِي الْمُسَوِّصَاتِ عَنِ الْيَقَاتِ لَا يَجُوزُ إِلَّا حَتَّى يَجْعَلَ بِهِ ثَلَاثَاتٍ** سے موضع (من گھڑت) روایات کرتا ہے اس سے احتجاج جائز نہیں۔ حافظ ابن حجر اور امام نسائی بھی

سے متروک الحدیث قرار دیتے ہیں امام احمد کا فیصلہ ہے کہ زبردست ضعیف ہے۔ نام نہاد دین الحق ص ۲۸۸ الجواب اولاً۔ اس روایت کے راوی کے ضعف سے ہمارا موقف کہ آیت **وَإِذَا قُرِئَ الْقُرْآنُ** کا نزول مقتدی کے امام کے پیچھے قرأت سے منع کے بارے ہے ضعیف نہیں ہوتا کیونکہ یہ ایک حقیقت ہے تفسیر ابن کثیر میں متعدد تابعین کے اقوال منقول ہیں۔ جن میں آیا کہ

وَإِذَا قُرِئَ الْقُرْآنُ میں مقتدی کو امام کے پیچھے قرأت سے منع کا حکم ہے۔

(وَإِذَا قُرِئَ الْقُرْآنُ) امام کے پیچھے مقتدی کے حکم میں اتری ملاحظہ ہو (فَقَالَ

إِنَّمَا ذَلِكَ فِي الصَّلَاةِ) (وَإِذَا قُرِئَ الْقُرْآنُ فَاسْتَمِعُوا لَهُ وَأَنْصِتُوا) وَكَذَا قَالَ

سُفْيَانُ الثَّوْرِيُّ عَنْ أَبِي هَاشِمٍ إِسْمَاعِيلَ بْنِ كَثِيرٍ عَنْ مُجَاهِدٍ فِي قَوْلِهِ وَإِذَا

قُرِئَ الْقُرْآنُ فَاسْتَمِعُوا لَهُ وَأَنْصِتُوا) قَالَ فِي الصَّلَاةِ - وَكَذَا رَوَاهُ غَيْرُ وَاحِدٍ

عَنْ مُجَاهِدٍ - تفسیر ابن کثیر ج ۲ زیر تفسیر **وَإِذَا قُرِئَ** - یعنی عبید بن عمیر اور عطاء بن ابی

رہاح رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ آیت نماز کے بارے اتری جس میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا

اور جب قرآن پڑھا جائے تو اسے کان لگا کر سنو اور خاموش رہو۔ اسی طرح سفیان

ثوری کی سند سے حضرت مجاہد سے ہے کہ آیت اور جب قرآن پڑھا جائے تو اسے کان

لگا کر سنو اور خاموش رہو نماز کے متعلق اتری اور ایسے ہی یہ ایک زیادہ اسناد کے ساتھ

حضرت مجاہد سے منقول ہے۔ غیر مقلد کو حضرت مجاہد کی ایک سند پر اعتراض تھا اس سے

معلوم ہوا کہ یہی روایت حضرت مجاہد رضی اللہ عنہ سے کئی اسناد سے آئی ہے اور حضرت

امام سفیان ثوری کی سند بہترین ہے۔ بلکہ یہی روایت مجاہد کے علاوہ امام بخاری کے شیخ

امام زہری سے بھی ہے چنانچہ تفسیر در المنثور میں **وَإِذَا قُرِئَ الْقُرْآنُ** کے تحت

ہے۔ (وَإِذَا قُرِئَ الْقُرْآنُ فَاسْتَمِعُوا لَهُ وَأَنْصِتُوا) امام زہری سے ہے کہ یہ آیت ایک

انصاری جوان کے بارے اتری کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب کچھ قرأت

کرتے تو پیچھے دو بھی وہی پڑھتے تب آیت اتری کہ جب قرآن پڑھا جائے تو اسے سنو اور خاموش رہو۔ نیز حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے بھی مرفوعاً زیر بحث آیت کا شان نزول یہی بیان ہوا کہ امام کے پیچھے نماز کے حکم میں ہے۔ چنانچہ تفسیر در المنثور میں ہی ہے کہ (أَخْرَجَ ابْنُ جَرِيرٍ وَابْنُ أَبِي حَاتِمٍ وَابْنُ الشَّيْخِ وَابْنُ مَرْدَوَيْهَ وَابْنُ عَسَاكِرَ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ فِي قَوْلِهِ (وَإِذَا قُرِئَ الْقُرْآنُ فَاسْتَمِعُوا لَهُ وَأَنْصِتُوا) قَالَ نَزَلَتْ فِي رَفْعِ الْأَصْوَاتِ وَهُمْ خَلْفَ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي الصَّلَاةِ) ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے آیت اور جب قرآن پڑھا جائے تو اسے سنو اور خاموش رہو کے متعلق مروی ہے کہ جب لوگوں نے رسول اللہ کے پیچھے نماز میں بلند آوازیں کیں۔ یہ آیت اتری غیر مقلد صاحب آیت کے شان نزول کے بارے لکھتے ہیں کہ (وَإِذَا قُرِئَ الْقُرْآنُ فَاسْتَمِعُوا لَهُ) خلف الامام نہیں بلکہ اس کے مخاطب کفار ہیں قرآن پاک کا سیاق و سباق اس کی تائید کرتا ہے اور اسی کو امام رازی قول مناسب اور حسن کہا ہے محدث مبارکپوری نے ان کی عبارت کا ترجمہ اور توضیح و تشریح ذکر کر دی ہے اس لیے پہلے اسے دیکھ لیا جائے۔ تحقیق الکلام ص ۶۳ ج ۲۔ یہی قول فریق ثانی سے مولانا عبد الماجد دریا آبادی مرحوم کا ہے۔ تفسیر ماجدی یہی ہیر کرم شاہ بریلوی نے لکھا ہے ضیاء القرآن۔ اسی کو ہی عبد الجبار بن احمد نے اختیار کیا ہے دیکھیے قرطبی اور شیخ ابو حیان نے بھی یہی لکھا ہے البحر المحیط۔ نام نہاد دین الحق ص ۲۸۹

الجواب اولاً: بفضلہ تعالیٰ جس طور پر ہم نے ثابت کیا ہے کہ آیت (وَإِذَا قُرِئَ الْقُرْآنُ فَاسْتَمِعُوا لَهُ) میں حکم مسلمانوں کو ہے کہ جب امام کے پیچھے نماز پڑھیں تو قرأت نہ کریں بلکہ امام کی قرأت کان لگا کر سنیں۔ اس کا انکار کوئی اہل عقل و انصاف نہ کرے گا۔ ثانیاً: وہابی صاحب نے یہ تو دعویٰ کیا کہ قرآن پاک کا سیاق و سباق اس کی تائید کرتا ہے مگر تائید کرنے کی وجہ بیان نہیں کی میرا خیال ہے کہ اگر وہابی جی کو سیاق و سباق کی سمجھ ہوتی تو ایسا دعویٰ نہ کرتا۔

ثالثاً: اللہ تعالیٰ نے زیر بحث آیت پر عمل کی صورت میں اس کی جزاء اور صلہ بیان

کیا (لَعَلَّكُمْ تَرْحَمُونَ) تاکہ تم پر رحمت کی جائے (معلوم ہوا کہ خاموش رہ کر قرآن سننے کا صلہ اللہ کی رحمت کا حصول ہے اور اللہ کی رحمت بخشش اور عذاب آخرت سے نجات کو لازم ہے چنانچہ اسی جگہ تفسیر سمرقندی میں ہے۔ لَعَلَّكُمْ تَرْحَمُونَ فَلَا تُعَذِّبُوا۔ تاکہ تم رحمت کیے جاؤ یعنی عذاب نہ دیے جاؤ۔ یہی تفسیر ابن عباس شریف میں آیا ہے۔ تفسیر روح البیان میں ہے (أَيُّ تَفْهُؤُونَ بِالسَّخْمَةِ الَّتِي هِيَ أَقْصَى لَسَانِيهِ) یعنی تم اس رحمت کے حصول میں کامیاب ہو جاؤ جو کہ اس کے ثمرات کی انتہاء ہے۔ جب ثابت ہوا کہ رحمت الہیہ کا مفاد بخشش ہے تو اگر غیر مقلد کے بقول زیر بحث آیت میں مخاطب کفار ہیں تو نتیجہ یہ نکلے گا کہ مسلمان تو سارے قرآن کو حق مان کر اس پر عمل کریں تب بخشش ہو مگر کفار قرآن و صاحب قرآن اور توحید الہیہ سے انکار کے باوجود ایک ہی آیت پر عمل کر لیں تو بخشے جائیں یہ ہے وہابیوں کی توحید انوس ہے ان لوگوں پر کہ دوسروں سے تو بات بات پر قرآن و حدیث پیش کرنے کا مطالبہ کرتے ہیں لیکن جب ان کا اپنا دامن قرآن و حدیث سے خالی ہو تو پھر محدثین و مفسرین و فقہاء میں سے جس کی بات موافق مذہب ہو اسی کی تقلید کرتے نظر آتے ہیں۔

رابعاً: آئیے اب سیاق و سباق کی بات کرتے ہیں سیاق و سباق بتاتا ہے کہ کلام کو کس مقصد و غرض کے لیے جاری کیا گیا ہے اور آیت کا ماقبل و بعد سے کیا تعلق و ربط ہے۔ اب دیکھیں آیہ (وَإِذَا قُرِئَ الْقُرْآنُ)۔ سے پہلی آیت میں ہے (هَذَا بَصَائِرُ مِنْ رَبِّكُمْ وَهُدًى وَرَحْمَةٌ لِّلْقَوْمِ يُوْمِنُونَ) یہ (قرآن) تمہارے رب کی طرف سے آنکھیں کھولنا ہے اور ہدایت اور رحمت ہے مسلمانوں کے لیے۔ (لِقَوْمِ يُوْمِنُونَ) میں اہم تخصیص کے لیے یعنی رحمت الہیہ مومنوں کے لیے خاص ہے۔ مگر وہابی کہتے ہیں کہ کفار ایک آیت پر عمل کر لیں تو ان پر رحمت ہو جائے گی بہر حال زیر بحث آیت کے بعد ہے۔ (وَإِذَا نَكَّرَ رَبُّكَ فَسِيْ نَفْسِكَ تَضَرُّعًا وَخِيفَةً (آلایہ) اور اپنے رب کو اپنے دل میں یاد کرو زاری اور ڈر سے۔ اور زاری مسلمان ہی کرے گا۔ اور خوف خدا بھی۔ کفار جو خدا تعالیٰ کو مانتے ہی نہیں وہ کیا زاری کریں گے اور کیسے ڈریں گے۔ معلوم ہوا کہ زیر

بحث آیت کے پہلے اور بعد مسلمانوں کا ذکر ہے اور مسلمانوں سے خطاب ہے لہذا اولاً
فُرِیٰ سے مراد کفار کو لینا خلاف سیاق ہے۔ جاء الحق کی عبارت پہلے گزری جس میں ہے
کہ آیت میں خطاب صرف مسلمانوں سے ہے کیونکہ کفار پر کوئی عبادت واجب نہیں
جب تک کہ ایمان نہ لائیں قرآن سننا بھی عبادت ہے یہ ان پر بغیر ایمان لائے کیسے
واجب ہوگی۔ اس پر وہابی صاحب کا پہلا اعتراض۔ مفتی صاحب نے یہ صراحت نہیں
کی کہ آیت سے وجوب کن الفاظ سے ثابت ہے البتہ علمائے احناف عموماً لفظ لعل سے
استدلال کرتے ہیں۔ نام نہاد دین الحق ص ۲۸۹

وہابی کی بے عقلی

جواب مفتی صاحب رحمۃ اللہ علیہ صراحت تب کرتے جب پہلے ابہام ہوتا
صراحت موجود نہ ہوئی آیت میں تو وجوب کی تصریح موجود ہے جو بھی وہابی جی کی طرح
نظر و عقل سے عاری نہ ہوا اگرچہ مبتدی طالب علم ہو جان جائے گا کہ فَاسْتَمِعُوا اور
الْصَّغُورُ۔ دونوں امر حاضر جمع مذکر کے صیغہ ہیں۔ اور امر وجوب کے لیے ہے۔ وہابی
صاحب دوسرے اعتراض کے تحت لکھتے ہیں۔ یہ استدلال باطل ہے کیونکہ لعل کلام الہی
میں ہمیشہ وجوب کے لیے مستعمل نہیں ہوتا۔ نام نہاد دین الحق ص ۲۸۹ جواب وہابی جی
کی عبارت سے ظاہر ہے کہ لعل ہمیشہ وجوب کیلئے نہیں آتا مگر کبھی کبھی وجوب کیلئے بھی
آتا ہے حالانکہ یہ کیسی جہالت ہے یہ کلمہ تو وجوب کے لیے آتا ہی نہیں یہ تو کلمہ ترجیحی ہے
یعنی امید کے لیے آتا ہے یہ حال ہے غیر مقلدوں کے مصنف و محقق صاحب کا تو باقی
قوم کا کیا حال ہوگا۔ مفتی صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ قرآن سننے سے رحمت
صرف مسلمانوں پر ہی ہوتی ہے۔ اس پر اعتراض کرتے ہوئے غیر مقلد صاحب لکھتے
ہیں: آئیے پہلے قرآنی الفاظ ملاحظہ کریں ارشاد ہوتا ہے:

وَإِذَا لَمْ تَأْتِهِمْ بِآيَةٍ قَالُوا لَا اجْتَنِبْهَا ۖ فَلَإِنَّ آتِيَ مَا يُؤْخَىٰ إِلَيْكَ
مِنْ رَبِّكَ ۚ هَٰذَا بَصَائِرُ مِنْ رَبِّكُمْ ۖ وَهَٰذِهِ وَرَحْمَةٌ لِّقَوْمٍ يُؤْمِنُونَ ۝ وَإِذَا
فُرِیَ الْقُرْآنُ فَاسْتَمِعُوا لَهُ وَأَنصِتُوا لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُونَ ۝

ترجمہ: اے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) جب تو ان کے پاس کوئی
(سغارشی) معجزہ نہیں لاتے تو کہتے ہیں تو از خود کیوں نہیں لاتا (اے نبی
صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) تم (ان سے) کہو کہ میں تو صرف اس کی وحی کی
پیروی کرتا ہوں جو میری طرف میرے رب عزوجل کی طرف سے وحی کیا
جاتا ہے۔ یہ (قرآن) تمہارے رب کی طرف (خزانہ) بصارت ہے اور
مومنوں کے لیے (سراسر) ہدایت رحمت ہے اور جب قرآن پڑھا جائے تو
اسے غور سے سنا کرو اور چپ رہا کرو تاکہ (مومنوں کی طرح) تم پر
(بھی) رحمت ہو جائے۔ (اتھنی)

الجواب اولاً: غیر مقلد صاحب نے اپنے حصول مقصد کے لیے قرآن پاک میں
معنوی تحریف کر دی تاکہ باور کرا سکے کہ زیر بحث آیت کے مخاطب کفار ہیں مثلاً یہ قرآن
پاک کے کسی لفظ کا معنی نہیں۔

(تاکہ مومنوں کی طرح تم پر بھی رحمت ہو جائے) بھی کسی لفظ کا معنی نہیں مگر وہابی
صاحب کفار سے ہمدردی میں اس قدر آگے بڑھا کہ مومنوں کی طرح بڑھ کر خود کفار کے
لیے بھی رحمت ثابت کر دی۔

ثانیاً: ہمیشہ علمائے امت محدثین و مفسرین و فقہاء آیت و اذا قرئ القرآن سے
مسائل پر استدلال کرتے آئے ہیں اس سے امام کے پیچھے عدم قرأت ثابت کرتے ہیں
اور خطبہ جمعہ کے وقت خاموشی ثابت کرتے ہیں اگر آیت کفار کے بارے سے تو یہ سب
حضرات نہ سمجھے۔

ثالثاً: غیر مقلد خود بھی اس آیت کے پیش نظر سورۃ فاتحہ کے علاوہ خلف الامام
قرأت نہیں کرتے۔ اب آگے چلتے ہیں مفتی احمد یار خاں نعیمی رحمۃ اللہ علیہ اعتراض نمبر
۶ تحت لکھتے ہیں۔ بخاری و مسلم شریف میں ہے کہ حضور نے ارشاد فرمایا: لَا صَلَوةَ لِمَنْ
لَّمْ يَقْرَأْ بِفَاتِحَةِ الْكِتَابِ۔ اس کی نماز نہیں ہوتی جو سورۃ فاتحہ نہ پڑھے۔
اس حدیث سے دو مسئلے معلوم ہوئے۔ ایک یہ کہ نماز میں سورۃ فاتحہ پڑھنا فرض

ہے کہ اس کے بغیر نماز بالکل صحیح نہیں ہوتی جیسے قیام و رکوع وغیرہ۔

دوسرے یہ کہ سب پر فرض ہے نمازی اکیلا ہو یا امام یا مقتدی حدیث میں کوئی قید نہیں۔ جواب اس کے تین جواب ہیں دو الزامی ایک تحقیقی پہلا جواب الزامی تو یہ ہے کہ یہ حدیث امام مسلم نے اس طرح نقل فرمائی۔ لَا صَلَوةَ لِمَنْ لَمْ يَقْرَأْ بِأَمِّ الْقُرْآنِ فَصَاعِدًا۔ اس کی نماز نہیں ہوتی جو سورۃ فاتحہ اور کچھ زیادہ نہ پڑھے۔ اور موطا امام مالک میں یہی حدیث اس طرح ہے۔ لَا صَلَوةَ إِلَّا بِالسَّاتِحَةِ الْكِتَابِ وَالسُّورَةِ۔ نماز نہیں ہوتی مگر سورۃ فاتحہ سے اور ایک سورۃ سے۔ آپ کو چاہیے کہ مقتدی پر سورۃ فاتحہ بھی فرض جانو اور سورۃ ملا نا بھی۔ کیا بعض حدیثوں پر ایمان ہے اور بعض سے انکار ہے۔ دوسرا جواب الزامی یہ ہے تمہاری پیش کردہ حدیث قرآن کے بھی خلاف ہے اور ان حدیثوں کے بھی جو ہم نے پہلی فصل میں پیش کیں بلکہ تمہارے بھی مخالف ہے قرآن کریم فرماتا ہے۔ فَاقْرَأْ وَآمَّا تَسْتَرِ مِنَ الْقُرْآنِ۔ جس قدر قرآن آسان ہو پڑھ لیا کرو۔ پھر سورۃ فاتحہ پڑھنا کیسے فرض ہو سکتا ہے نیز فرماتا ہے (وَإِذَا قُرِئَ الْقُرْآنُ فَاسْتَمِعُوا لَهُ وَأَنْصِتُوا)۔ آئیہ۔ جب قرآن پڑھا جائے تو کان لگا کر سنو اور خاموش رہو۔ پھر مقتدی امام کے ساتھ سورۃ فاتحہ پڑھ کر اس حکم ربانی کی مخالفت کیسے کرے ہم بہت احادیث بیان کر چکے ہیں جن میں ارشاد ہوا کہ امام کی قرأت مقتدی کی قرأت ہے۔ جب امام قرأت کرے تو تم چپ رہو وغیرہ۔ تم بھی کہتے ہو کہ جو رکوع میں امام کے ساتھ مل گیا اسے رکعت مل گئی اس پر وضو طہارت تکبیر تحریر یہ فرض رہا کہ اگر ان میں سے کچھ بھی چھوڑ کر رکوع میں شامل ہو جائے تو نماز نہ پائے گا سورۃ فاتحہ کیسے معاف ہو گئی وہ فرض تھی۔ جواب تحقیقی یہ ہے کہ اس حدیث کے ایسے معنی کرنے چاہیے کہ جس سے قرآن و حدیث میں مخالفت نہ رہے۔

احادیث آپس میں ٹکرائے جائیں۔ کوئی اعتراض بھی نہ پڑھے وہ یہ کہ لا صلوة میں لاشی جنس کا ہے جس کا اسم تو ہے لا صلوة جزء پوشیدہ ہے یعنی کامل مطلب یہ ہوا کہ نماز بغیر سورۃ فاتحہ کامل نہیں ہوتی مطلق قرأت بحکم قرآن فرض ہے اور سورۃ فاتحہ بحکم حدیث

واجب۔ جیسے لَا صَلَوةَ إِلَّا بِخُصُورِ الْقَلْبِ۔ نماز نہیں ہوتی مگر حضور قلب سے۔ لَا صَلَوةَ لِحَجَارِ الْمَسْجِدِ إِلَّا فِي الْمَسْجِدِ۔ جو مسجد کے قریب رہتا ہو اس کی نماز نہیں ہوتی مگر مسجد میں۔ ان دونوں حدیثوں میں لا صلوة سے کمال نماز کی نفی ہے نہ کہ اصل نماز کی ایسے ہی یہاں ہے۔ پھر لم یقرء قرات حکمی و تحقیقی دونوں کو شامل ہے کہ امام اور اکیلے نمازی پر حقیقتاً فاتحہ پڑھنا واجب ہے اور مقتدی پر حکماً کہ امام کا پڑھنا اس کا پڑھنا ہے ہماری پیش کردہ احادیث اس کی تخصیص کرتی ہیں جنہوں نے مقتدی کو اس حکم سے خاص کر دیا۔ جاء الحق کی مذکورہ عبارت پر

غیر مقلد کا پہلا اعتراض

مفتی صاحب کا موطا امام مالک کی طرف و السورۃ کے الفاظ منسوب کرنا نزاعاً و ہم خالص مغالطہ اور سو فی صد جھوٹ ہے موطا میں الفاظ تو کجا سرے سے حضرت عبادہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت ہی موجود نہیں ہے۔ نام نہاد دین الحق ص ۲۵۲
الجواب اولاً: ممکن ہے کہ مفتی صاحب کو موطا امام مالک سے کوئی پرانا نسخہ ملا وہ جس میں السورۃ کے الفاظ موجود ہوں۔

ثانیاً: مفتی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کو غلط حوالہ دینے کی حاجت ہی کیا تھی جب کہ یہ روایت دوسری جگہ موجود ہے۔ چنانچہ بدائع الصنائع ج ۱ ص ۱۶۰ پر ہے۔ وَرُويَ لَا صَلَوةَ إِلَّا بِقَاتِحَةِ الْكِتَابِ وَ سُورَةِ مَعَهَا۔ اور مروی ہے کہ سورۃ فاتحہ اور ایک سورۃ اس سے ملائے سوا نماز نہیں ہوتی۔

غیر مقلد کا دوسرا اعتراض

صحیح مسلم میں فصاعدا کے الفاظ پائے جاتے ہیں مگر اصول حدیث کی رو سے صحیح نہیں کیونکہ فصاعداً کو صرف امام معمر نے بیان کیا ہے جو کہ گوشتہ ہیں لیکن محدثین کی تصریحات کے مطابق بعض روایات میں ان سے خطائیں ہوئیں ہیں اور انہیں روایات میں سے ایک یہ بھی ہے حافظ ابن حجر فرماتے ہیں: قَالَ ابْنُ حِبَّانٍ تَفَرَّدَ بِهَا مَعْمَرُ عَنْ الزَّهْرِيِّ وَأَعْلَاهَا الْبُخَارِيُّ فِي جُزْءِ الْفُرْأَةِ۔ نام دین الحق۔ الجواب اولاً

غیر مقلد کا غلط الزام

وہابی صاحبان کی عادت ہے کہ جب کسی روایت کو اپنے مذہب و معمول کے خلاف دیکھیں تو اسے عیب لگائے بغیر نہیں چھوڑتے یہی بات یہاں بھی ہے کہ پہلے تو امام معمر کی طرف تفرود منسوب کر دیا پھر فصاعداً کے الفاظ کو ان کی غلطی کہے دیا اسے یہ نظر نہ آیا کہ اس روایت میں ان کا متابع امام سفیان ثوری موجود ہے جو کہ فقیہ و محدث بلند پایا ثقہ ہیں تفرود وہ ہے جس میں متابع موجود نہ ہو جب کہ مذکورہ روایت فصاعداً کے الفاظ سفیان و معمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما ایک ہی شیخ امام زہری سے روایت کرتے ہیں چنانچہ ابوداؤد جزء اول ص ۱۲۶ پر امام سفیان ثوری امام زہری سے راوی ہیں اور مسند امام احمد ج ۵ ص ۲۳۹ اور صحیح مسلم ج ۱ ص ۱۶۹ پر امام معمر زہری سے روایت کرتے ہیں نیز زیر بحث روایت کا شاہد معنوی حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے منقول ہے جیسا کہ ابوداؤد جزء اول ص ۱۶۵ روایت پر موجود ہے جس میں فم زاد کے الفاظ آئے ہیں اور فصاعداً اور فم زاد کا معنی مراد ایک ہی ہے۔

غیر مقلد کا تیسرا اعتراض

اگر فصاعداً کی زیادتی کو صحیح بھی تسلیم کر لیا جائے تو بھی اس سے فاتحہ کے علاوہ دوسری سورت کی فرضیت ثابت نہیں ہوتی چنانچہ مولانا انور شاہ صاحب کشمیری فرماتے ہیں کہ اختلاف نے خیال کیا ہے کہ اس حدیث کے یہ معنی ہیں کہ فاتحہ کے ساتھ سورت ملا نا بھی واجب ہے لیکن یہ لغت کے خلاف ہے کیونکہ اہل لغت اس پر متفق ہیں کہ فاء کے بعد جو آتا ہے غیر ضروری ہوتا ہے اور امام سیبویہ نے الکتاب کے باب الاضافة میں اس کی صراحت کی ہے۔ (انھیں) لہذا اس حدیث کے معنی جو مفتی صاحب نے کیے ہیں وہ قطعاً درست نہیں۔ نام نہاد دین الحق ص ۲۵۲

غیر مقلد کی اندھی تقلید

بغیر تعین و تخصیص محل مطلقاً کہنا کہ فاء کے بعد جو کچھ آتا ہے غیر ضروری ہوتا ہے

وہابی جی کی نرمی بے عقلی اور انور شاہ کشمیری کی اندھی تقلید ہے غیر ضروری کے دو معنی ہیں ایک یہ کہ فاء کے بعد قرآن و حدیث کی جو عبارت آئے اس پر عمل میں کچھ فائدہ نہیں اس سے لازم آئے گا کہ کلام اللہ تعالیٰ اور حدیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں جہاں فاء آئے اس کے بعد پر عمل بے فائدہ اور غیر ضروری ہے حالانکہ قرآن و حدیث میں ایک لفظ بھی بے فائدہ یا غیر ضروری نہیں یہ تو مسلمان کے لیے ضابطہ حیات ہے خواہ اس میں فرض و واجب کا ذکر یا سنت و مستحب کا سب پر عمل کرنا ذریعہ نجات ہے۔ دوسرا غیر ضروری کہنے کا معنی یہ ہے کہ اس پر عمل فرض و واجب نہیں تو یہ کلیہ بھی ہر جگہ قائم نہیں رہے سکتا دیکھیں ارشاد باری تعالیٰ ہے: بَنِيهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا قُمْتُمْ إِلَى الصَّلَاةِ فَاغْلُظْ أَوْ جُوهَكُمْ وَأَيِّدْ بَكُمْ إِلَى الْمَوَاقِفِ وَأَمْسَحُوا بِرُؤُوسِكُمْ وَأَرْجُلُكُمْ إِلَى الْكَعْبَيْنِ۔ اے ایمان والو! جب تم نماز پڑھنے کا ارادہ کرو تو اپنے چہروں کو دھوؤ اور ہاتھوں کو کہنیوں سمیت اور اپنے سروں کا مسح کرو اور پاؤں کو ٹخنوں سمیت دھوؤ۔ اب وہابیوں کو چاہیے کہ وضو نہ کیا کریں کیونکہ وضو کا حکم فاء کے بعد آیا ہے اور ان کے گھر کے علامہ صاحب نے فتویٰ صادر کر دیا ہے کہ فاء کے بعد پر عمل ضروری نہیں۔ دوسرے مقام پر ارشاد باری تعالیٰ ہے: قَلِمَ تَجِدُوا أَمَاءً فَتَيْمَّمُوا ضَعِيفًا طَبِيبًا فَأَمْسَحُوا بِرُؤُوسِكُمْ وَأَيِّدْ بَكُمْ مِنْهُ (الآیہ) یعنی حدت و جنابت کی صورت میں پانی نہ پاؤ یا اس پہ قدرت نہ پاؤ تو پاک مٹی سے تیمم کرو پس اپنے چہروں اور ہاتھوں کا مسح کرو۔ مذکورہ آیہ مبارکہ میں تین جگہ فاء ہے وہابی اگر اپنے دعویٰ میں سچا ہے تو سب وہابیوں کو ساتھ ملا کر ان میں سے ایک فاء کے بعد کا بیان ہی غیر ضروری ثابت کر دے ورنہ اسے سیبویہ و خلیل یا ابن حابط بننے کا شوق ہو تو اپنی قوم وہابیہ میں ہی پورا کرے دوسروں پر سکھ جمانے کی کوشش کرے گا تو اپنی جہالت ہی ظاہر کرے گا۔ جاء الحق کی عبارت پیچھے گزری جس میں مفتی صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ تمہاری پیش کردہ حدیث قرآن کے بھی خلاف اور ان حدیثوں کے بھی خلاف ہے جو ہم نے پہلی فصل میں پیش کیں بلکہ تمہارے بھی خلاف ہے۔ اس پر غیر مقلد صاحب پہلے اعتراض کے

ضمن میں لکھتے ہیں:

ہم نے بھی آگے خدا کے فضل و کرم سے ثابت کر دیا ہے کہ جس قرآنی آیت سے آپ نے استدلال کیا ہے وہ اپنے معنی و مفہوم میں آپ کی دلیل نہیں ہے۔

ثانیاً: جب مذکورہ حدیث صحیح ہے۔ اور مفتی صاحب نے اس پر جرح نہ کر کے اس کا صحیح ہونا تسلیم کر لیا ہے تو فرمان پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم قرآن کے مخالف نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ صاحب قرآن حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مراد قرآنی کو تمام انسانوں سے زیادہ سمجھتے تھے تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس آیت کو سمجھتے ہوئے ہی فرمایا تھا کہ سورۃ فاتحہ کے بغیر نماز نہیں ہوتی ثالثاً رہا آپ کی پیش کردہ روایات تو گزارش ہے کہ ان میں سے کوئی صحیح تو کجا حسن درجہ کی بھی نہیں ہے اور حدیث لا صلوة بخاری و مسلم کی ہے جب کہ تعارض کے لیے احادیث کا ہم پلہ ہونا شرط ہے۔ نام نہاد دین الحق ص ۲۵۳ الجواب اولاً: غیر مقلد کا کہنا کہ آیت واذا قرأ القرآن معنی و مفہوم میں احناف کی دلیل نہیں تو یہ وہابی جی کی نری ضد اور دروغ گوئی ہے ورنہ حدیث مرفوعہ اور اقوال صحابہ و تابعین رضوان اللہ علیہم اور تفاسیر کثیرہ سے ثابت ہے کہ آیت کی مراد مقتدی کو قرآن سے منع اور امام کی قرآن سننا ہے اسے مفتی صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے احسن و بھرپور طریقہ سے ثابت کیا ہے جسے مزید دلائل کی طلب ہو وہ فقیر کی الیمائین فی مسئلہ القراءة خلف الامام و ترک رفیع الیدین۔ کا مطالعہ کرے۔ ثانیاً

وہابی وہ حدیث پیش کرتے ہیں جو ان کی دلیل ہی نہیں

غیر مقلد صاحب نے حدیث لا صلوة لمن لم یقرء بفاتحہ الكتاب کی صحت کا دعویٰ تو کیا ہے دیکھنا یہ ہے کہ اس کا دعویٰ ہے کہ خلف الامام بھی فاتحہ کا پڑھنا فرض ہے اس حدیث سے استدلال درست ہے؟ آئیے اس جگہ علامہ نیوی کی آثار السنن دیکھیے چونکہ غیر مقلد صاحب خود بھی اکثر ان کے حوالے دیتے ہیں۔ آثار السنن باب فی القراءة خلف الامام میں ہے۔ عَنْ عَسَادَةَ بْنِ الصَّامِتِ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ

رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَآلِهِ وَسَلَّمَ لَا صَلَوةَ لِمَنْ لَمْ يَقْرَأْ بِفَاتِحَةِ الْكِتَابِ۔ رواه الشَّيْخَانِ وَقَدْ قَدَّمَ حَدِيثَ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ وَعَالِشَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهَا۔ قَالَ الْيَمُوعِيُّ وَفِي الْإِسْتِدْلَالِ بِهَذِهِ الْأَحَادِيثِ نَظَرٌ۔ عبادہ بن صامت رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: اس کی نماز نہیں ہوتی جس نے سورۃ فاتحہ نہ پڑھی۔ اسے شیخین نے روایت کیا اور ابو ہریرہ اور عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی حدیث پہلے گزری نیوی نے کہا ہے کہ ان حدیثوں سے استدلال کرنا محل غور ہے اسی پر حاشیہ میں لکھتے ہیں: بقولہ وفی الاستدلال بہذہ الاحادیث نظر۔ قلت قال الترمذی قال احمد بن حنبل معنی قوله النبی صلی اللہ علیہ وسلم لا صلوة لمن لم یقرء بفاتحہ الكتاب۔ اذا كان وحده وقال ابو داود قال سفیان لمن یصلی وحده قلت والاولی ان یقال ان هذا الحکم لمن كان ضامناً للصلوة ومتکفلاً لہا۔ اما ما كان او منفرداً ویؤیدہ مارواه مسلم والنسائی من طریق معمر عن الزہری فی آخری حدیث الباب لفظ فصاعدا۔ اور اس کا قول کہ ان احادیث سے استدلال محل غور ہے۔

امام احمد بن حنبل رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ارشاد کہ اس کی نماز نہیں ہوتی جس نے سورۃ فاتحہ نہ پڑھی کا معنی ہے کہ جب اکیلا نماز پڑھتا ہو ابو داؤد نے کہا حضرت سفیان نے فرمایا: اس کا حکم اسے ہے۔ جو اکیلا نماز پڑھے۔ میں کہتا ہوں اولیٰ یہ ہے کہ کہا جائے یہ حکم اس کا ہے جو نماز کا ضامن و ذمہ دار ہو امام ہو یا منفرد اس کی تائید میں ہے جو مسلم کی ایک روایت میں آیا اور نسائی کی روایت میں معمر عن الزہری کے طریق سے جس حدیث کے آخر میں فصاعدا کے الفاظ ہیں۔ اس سے اظہر من الشمس ہوا کہ جن روایات سے غیر مقلدین فاتحہ خلف الامام کی فرضیت پر استدلال کرتے ہیں ان سے یہ استدلال درست نہیں صحت کا دعویٰ تو بعد کی بات ہے۔ ثالثاً: وہابی جی کا کہنا کہ آپ کی پیش کردہ روایات میں سے کوئی ایک بھی صحیح تو کجا حسن درجہ کی بھی نہیں۔

اس کی کتاب پر اپنی تقریظوں میں اس کی خوب تعریف کی اور دوحسین دی وہ سب بھی مشرک ہوئے ان سے برأت قطع تعلق کا اعلان کرو ورنہ سنیوں کے لیے امتیازی معیار کو ترک کرو کیونکہ اسلام میں شرک و ایمان کا معیار ایک ہی ہے۔ ثانیا: غیر مقلد کا کہنا ہے کہ مفتی صاحب نے اعتراض کسی عربی کتاب میں پڑھا ہوگا اور عربی سمجھنے کی لیاقت نہ تھی۔ مگر خود وہابی جی کی علمی یمینی کا حال دیکھو کہ مفتی صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے تو اپنے موقف کی پختگی کے لیے بطور مثال دو حدیثیں پیش کی ہیں اور ان پر مثبت قیاس کرتے ہوئے فرمایا کہ اگر وہاں وجود نماز کی نفی نہیں بلکہ کمال کی نفی مراد ہے تو یہاں بھی ایسا ہی ہے مگر وہابی جی بجائے اس کے کہ مفتی صاحب کے قیاس پر کوئی نقص وارد کرتا اور متقیس لہ اور متقیس علیہ میں علت کا تغایر ثابت کرتا یہ تو نہ کر سکا نہ ہی اس کی لیاقت تھی دوسروں کی تقلید کرنے لگا جی فلاں نے کہا لا وجود کی نفی کے لیے ہے۔

وہابی قوم کو کھلا چیلنج

میں پوچھتا ہوں وہابی جی اگر یہاں لافنی وجود کی ہے تو پھر لا صلوة الا بحضور القلب اور لا صلوة لاجار المسجد الا فی المسجد میں لا وجود کی نفی کیوں نہیں کرتی اس اور اس میں فرق بتائیں۔ وَاذْعُوا شُهَدَاءَكُمْ مِنْ دُونِ اللّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ صَادِقِينَ۔ ثالثا: اگر تمہارے نزدیک لا صلوة میں لافنی وجود کے لیے ہے تو تمہاری سنتیں فجر کے فرض پڑھنے کے بعد سورج بلند ہونے سے پہلے کیے ہو جاتی ہیں کیونکہ تم اس کے قائل ہو کہ جب کوئی فجر کی جماعت قائم ہونے کے بعد آئے تو وہ جماعت سے مل جائے سنتیں جماعت کے فوراً بعد پڑھ لے حالانکہ حدیث میں آیا ہے: لَا صَلَوةَ بَعْدَ الصُّبْحِ حَتَّى تَرْتَفَعَ الشَّمْسُ۔

الجامع الصغیر ج ۲ ص ۴۸ لہام الحافظ سیوطی رحمۃ اللہ علیہ فرض فجر کے بعد نماز نہیں ہوتی جب تک کہ سورج بلند نہ ہو جائے۔ اسی کی ذیل میں تخریج میں ہے۔ للبخاری ومسلم والنسائی وابن ماجہ کلہم عن ابی سعید ولا حمد فی مسندہ ولا ہی داؤد وللا بن ماجہ کلہم عن عمر حدیث صحیح۔ یعنی بخاری ومسلم اور نسائی

ابن ماجہ سب نے ابوسعید رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے اور امام احمد نے اپنی مسند میں اور داؤد وابن ماجہ نے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا حدیث صحیح ہے۔ رابعا: لا صلوة میں لافنی کمال کی ہے

غیر مقلد کا خالص جھوٹ ہے کہ مفتی صاحب عربی عبارت نہیں سمجھے اس لیے کہہ دیا لافنی کمال کی ہے بلکہ فقہاء احناف اس لا کو نفی کمال پر ہی محمول کرتے ہیں چنانچہ تفسیر آیات الاحکام من القرآن۔ سورۃ فاتحہ کے تحت ہے۔

وَمَا حَدِثُ عِبَادَةٍ لَّقَدْ حَمَلُوا عَلَى نَفْيِ الْكَمَالِ لَا عَلَى نَفْيِ الْحَقِيقَةِ وَمَعْنَاهُ عَنْهُمْ لَا صَلَوةٌ كَامِلَةٌ لِّعَنْ لَّمْ يَقْرَأْ بِقَابِ حَتَّى۔ اے پر حضرت عبادہ کی حدیث تو اس کو (احناف) نفی کمال پر محمول کرتے ہیں نفی حقیقت پر نہیں اور ان کے نزدیک اس کا معنی ہے کہ جو فاتحہ نہ پڑھے اس کی نماز کمال نہیں اس کے آگے لکھتے ہیں: وَقَالُوا هَذَا الْحَدِيثُ يُشَبِّهُ قَوْلَهُ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا صَلَوةَ لِبَجَارِ الْمَسْجِدِ إِلَّا فِي الْمَسْجِدِ اور کہتے ہیں کہ یہ حدیث حضور کے اس ارشاد کے مشابہ ہو فرمایا مسجد کے قریبی کی نماز نہیں ہوتی مگر مسجد میں۔

وہابی صاحب کا دوسرا اعتراض ملا جی جب مطلق قرأت فرض ہے تو وہ بحالت اقتداء بھی فرض ہے کیونکہ فرائض بحالت اقتداء بھی ساقط نہیں ہوتے اب مشکل یہ آ پڑی کہ تعین فاتحہ سے انکار کے وقت تو ملا جی نے اپنے مذہب کے مطابق آیت فَاَقْرَأْ مَا تَسْمَعُ کے عموم سے استدلال کر لیا اور حدیث لا صلوة کو وجوب فاتحہ کیلئے کر دیا مگر ساتھ مقتدی کو مطلق قرأت سے منع کر دیا تو اس مقام پر عموم آیت کو نظر انداز کر دیا حالانکہ جس طرح آیت فَاَقْرَأْ مَا تَسْمَعُ نصاب قرأت کے لیے عام ہے اس طرح نماز کی حالت کے لیے عام ہے اب ایک اور مشکل آن پڑی کہ مقتدی کو آیت قرآنی کی رو سے مقتدی پر قرأت ثابت ہوئی تو دوسری میں منع تو اب معاذ اللہ قرآنی آیات میں تعارض ہو گیا اور ہمیں انفسوس سے کہنا پڑتا ہے کہ ملا جی کے بڑوں کا ان آیات کے بارے میں یہی نظریہ ہے ملا جیوں اصولی خفی تحریر کرتے ہے۔ ومثاله قوله فَاَقْرَأْ مَا تَسْمَعُ مِنَ الْقُرْآنِ ○

مع قوله تعالى وَإِذَا قُرِئَ الْقُرْآنُ فَاسْتَمِعُوا لَهُ وَأَنْصِتُوا ۚ فَإِنِ الْاَوَّلُ بِعَمُومِهِ
يُوجِبُ الْقِرَاءَةَ عَلَى الْمُقْتَدِي وَالثَّانِي بِخُصُوصِهِ يَنْفِيهِ وَقَدْ وَرَدَ فِي الصَّلَاةِ
جَمِيعًا فَتَسَالُطًا فَيَصَارُ إِلَى حَدِيثٍ بَعْدَ ۝

نور الانوار۔ اس کی مثال آیہ قَافِرُوا مَّا تَبَسَّرُوا مِنَ الْقُرْآنِ مع قول خداوندی
وَإِذَا قُرِئَ الْقُرْآنُ فَاسْتَمِعُوا لَهُ وَأَنْصِتُوا کے لیے کہ پہلی آیت اپنے عموم سے
مقتدی پر بھی قرأت واجب کرتی ہے اور دوسری آیت اپنے خصوص سے اس کی نفی کرتی
ہے۔ حالانکہ دونوں آیتیں نماز کے متعلق ہیں پس دونوں آیات ساقط ہو گئیں اور اس
کے بعد حدیث کی طرف جانا پڑا (انھیں) اس طرح کشف الاسرار شرح اصول بزوری
اور تلوخ شرح توضیح میں تعارض کی صورت میں حدیث کی طرف رجوع کرنے کی مثال
میں انہیں دو آیات کو پیش کیا۔ نام نہاد دین الحق ۲۵۵ تا ۲۵۴۔

الجواب اولاً: غیر مقلد کو اقرار ہے کہ فرائض بحالت اقتداء بھی ساقط نہیں ہوتے تو
یہی ہم کہتے ہیں کہ اگر فاتحہ مقتدی پر بھی فرض ہوتی تو بلا پڑے امام کے ساتھ رکوع میں
ملنے سے اسے وہ رکعت نہ ملتی جب کہ رکعت کا ہونا حدیث سے ثابت ہے کہ رکوع ملنے
سے رکعت ہو جاتی ہے۔ حدیث ملاحظہ ہو:

امام کے پیچھے رکوع ملنے سے رکعت ہو جاتی ہے

عَنِ الْحَسَنِ عَنِ أَبِي بَكْرَةَ أَنَّهُ انْتَهَى إِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ
وَهُوَ رَاجِعٌ فَرَجَعَ قَبْلَ أَنْ يَصِلَ إِلَى الصَّفِّ فَذَكَرَ ذَلِكَ لِلنَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ
وَسَلَّمَ فَقَالَ رَأَىكَ اللَّهُ حُزْناً لَا تَعْدُ۔ حضرت ابوبکر سے ہے کہ وہ نبی کریم صلی اللہ
علیہ وسلم کے پاس پہنچے تو آپ اس وقت رکوع میں تھے پس وہ صف میں ملنے سے پہلے
ہی رکوع میں چلے گئے (اور آہستہ آہستہ صف سے مل گئے) اس کا ذکر نبی صلی اللہ علیہ
وسلم سے کیا گیا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ نیکی پر تیری چاہت زیادہ کرے
پھر ایسا نہ کرنا حدیث شریف بخاری ج ۱ ص ۱۰۸ کا مفاد ظاہر ہے کہ امام کے ساتھ رکوع
میں ملنے سے مقتدی کی رکعت ہو جاتی ہے۔ دیکھیں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے

حضرت ابوبکر کو یہ تو فرمایا کہ آئندہ صف میں ملے بغیر مجدد نہ کرنا مگر اعادہ نماز کا حکم نہ
دیا اگر فاتحہ کا پڑھنا فرض ہوتا تو یہ رکعت اسے بغیر فاتحہ کے کیسے ملتی اور فرض اس سے
کیسے ساقط ہوتا حالانکہ فرض بحالت اقتداء بھی ساقط نہیں ہوتا نیز اس پر علماء کا اتفاق ہے
کہ امام کو رکوع میں پانے سے وہ رکعت اداء میں شمار ہوتی ہے۔ تفسیر آیات الاحکام من
القرآن۔ زیر تفسیر سورۃ فاتحہ ثانیاً) غیر مقلد کا اعتراض کہ مفتی صاحب نے آیت فاقراءوا
تیسرے من القرآن کے عموم کو مقتدی کو فاتحہ پڑھنے سے منع کر کے نظر انداز کر دیا
ہے۔ فقیر کہتا ہے کہ یہ غیر مقلد کی غلط بیانی اور سو فیصد جھوٹ ہے کیونکہ مفتی صاحب
رحمۃ اللہ علیہ نے مقتدی کو امام کے پیچھے قرأت سے منع نہیں کیا بلکہ اللہ تعالیٰ اور اس کے
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے منع فرمایا کہ مقتدی امام کے پیچھے قرأت نہ کرے بلکہ
امام کی قرأت سنے اور خاموش رہے۔

ثالثاً: غیر مقلد نے نور الانوار کی عبارت کو یہاں تک بیان کیا کہ دونوں آیتیں
ساقط ہو گئیں اور حدیث کی طرف جانا پڑھا مگر خیانتاً یہ نہ بتایا کہ وہ کون سی حدیث ہے
جس کا ذکر وہاں صاحب نور الانوار نے کیا وہ ہم بتا دیتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ
وسلم کا ارشاد ہے: مَنْ كَانَ لَهُ إِمَامٌ فَقَرَأَهُ الْإِمَامُ قِرَاءَةً لَهُ۔ جس کا امام ہو تو امام کی
قرأت اس کی قرأت ہے۔ نور الانوار ص ۱۹۰۔ غیر مقلد تیسرے اعتراض کے تحت لکھتے
ہیں: مذکورہ حدیث میں قرأت فاتحہ سے حقیقی اور حکمی دونوں قرأت مراد لینا مفتی جی کا
کھانا تعصب ہے اولاً اس لیے کہ حقیقی اور حکمی مراد لینا حقیقت اور مجاز کو جمع کرنا ہے اور
جمع بین الحقیقۃ والمجاز احتیاف کے نزدیک باطل ہے۔ چنانچہ ملا جیون فرماتے ہیں کہ:
وَيُسْتَحْبِلُ اجْتِمَاعُهُمَا مَرَّاتَيْنِ بِلَفْظٍ وَاحِدٍ أَيْ يَسْتَحْبِلُ اجْتِمَاعَ الْمَعْنَى
الْحَقِيقِيَّةِ وَالْمَعْنَى الْمَجَازِيَّةِ حَالِ كَوْنِهَا مَرَّاتَيْنِ بِلَفْظٍ وَاحِدٍ بِأَنْ يَكُونَ كُلُّ
مِنْهُمَا بِمَعْتَلَقِي الْحُكْمِ۔ انھیں۔ اور اگر علمائے بریلوی کہیں کہ قرأت حکمی حقیقت ہے تو
دریں صورت عموم مشترک کا قائل ہونا لازم آئے گا اور عموم مشترک احتیاف کے نزدیک
اجاز ہے۔

ولا عموم له ای المشترک عندنا فلا يجوز ارادة معنيه معا۔
الانوار۔ نام نہاد دین الحق۔ ص ۲۵۵ الجواب بعون الوهاب وهو موفق بالصواب اؤلا۔

غیر مقلد کو یہ عقل نہ آئی کہ اس کا اعتراض حدیث شریف پر بھی آئیگا

نام نہاد ابجدیث صاحب نے مفتی احمد یار خاں رحمۃ اللہ علیہ پر یہ تو اعتراض کیا کہ وہ حقیقت و مجاز کو جمع کر رہے ہیں مگر یہ عقل نہ آئی کہ اس کا یہ اعتراض صرف مفتی صاحب پر نہیں بلکہ حدیث شریف پر بھی آئیگا اس لیے کہ حدیث میں ہے۔ من کان له امام فقرأه الامام فقرأه له۔ جس کا امام ہو تو امام کی قرأت اس کی قرأت ہے۔ یہ تو ظاہر ہے کہ امام کی قرأت امام کے حق میں حقیقی ہے کیونکہ وہ قرآن پڑھتا ہے مقتدی کے حق حکمی و مجازی ہوگی اس لیے کہ وہ خود قرآن نہیں پڑھتا اب حدیث میں بھی وہابی جی کے کلیہ پر حقیقت و مجاز جمع ہوا۔

حقیقت و مجاز کب جمع ہو سکتے ہیں

ثانیاً: حقیقت میں بات یوں ہے کہ غیر مقلد صاحب نے نور الانوار سے حقیقت و مجاز کی پوری بحث نہیں پڑھی بلکہ چند سطور دیکھ کر اپنے کو صاحب اصول سمجھ بیٹھا اصل بات یہ ہے کہ حقیقت و مجاز ایک محل میں بیک وقت جمع نہیں ہوتے مگر جب محل مختلف ہو تو جمع ہو جاتے ہیں کہ ایک ہی لفظ بول کر بیک وقت ایک جگہ حقیقت اور دوسری جگہ مجاز مراد لے سکتے ہیں جیسے کہ اسد بول کر شیر بھی اور شجاع آدمی بھی مراد لے سکتے ہیں کیونکہ یہاں مجاز حقیقت کے منافی و محرم نہیں۔ نیز جب مجاز میں عموم ہو تو دونوں حکماً جمع ہو جاتے ہیں مثلاً کسی نے قسماً کہا کہ میں فلاں کے گھر داخل نہیں ہوں گا پھر اس کے گھر داخل ہوا تو اس کی قسم ٹوٹ جائے گی عام ازیں وہ گھر فلاں کا ذاتی ہو یا کرایہ پر یا عاریہ حالانکہ ذاتی ہونا حقیقت اور کرایہ پر عاریہ مجاز ہے۔ یہ جاننے کے بعد اب دیکھیں کہ امام و مقتدی دو مختلف محل ہیں لہذا امام کی قرأت اس کے حق حقیقی ہے اور مقتدی کے حق حکمی و مجازی حکمی اس لیے کہ شریعت مطہرہ نے اس کی قرأت ہونے کا حکم کیا ہے مجازی اس لیے کہ اس نے قرآن پڑھا نہیں حقیقی قرأت خود پڑھنے سے ہوتی ہے۔ ثالثاً وہابی

صاحب کا کہنا کہ اگر علمائے بریلوی کہیں کہ قرأت حکمی حقیقی ہے تو دریں صورت عموم مشترک کا قائل ہونا لازم آئے گا اور عموم مشترک احناف کے نزدیک ناجائز ہے۔ فقیر کہتا ہے یہ تو وہابی صاحب کا ذاتی مفروضہ ہے ورنہ ہمیں ایسا کہنے کی حاجت ہی کیا ہے اس کا مناسب جواب تو بفضلہ تعالیٰ ہو چکا ہے۔ اب جاء الحق سے غیر مقلدوں کے مذکورہ اعتراض کا تحقیقی جواب مفتی صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: تم بھی کہتے ہو جو رکوع میں امام کیساتھ مل گیا اسے رکعت مل گئی اگر مقتدی پر سورۃ فاتحہ فرض تھی تو اس کے بغیر رکعت کیسے مل گئی۔ اس پر وضو طہارت تکبیر تحریمہ قیام فرض رہا کہ اگر ان میں سے کچھ بھی چھوڑ کر رکوع میں شامل ہو جائے تو نماز نہ پائے گا سورۃ فاتحہ کیسے معاف ہوگی وہ فرض تھی اس کے جواب میں وہابی صاحب لکھتے ہیں۔ جماعت ابجدیث کے محققین کا یہی نظریہ ہے کہ رکوع میں ملنے سے رکعت نہیں ہوتی، یہی مسلک کثیر صحابہ رضی اللہ عنہم اور محدثین عظام کا ہے۔ نام نہاد دین الحق ص ۲۵۵

الجواب اؤلا: خود وہابی جی کی تحریر سے ظاہر ہے کہ سب نام نہاد ابجدیثوں کا موقف نہیں کہ رکوع ملنے سے وہ رکعت نہیں ہوتی بلکہ بعض کا ہے ظاہر ہے باقیوں کے نزدیک وہ رکعت ہو جاتی ہے رہا یہ کہ وہ محققین وہابیوں کا موقف ہے کہ رکوع پانے سے رکعت نہیں ہوتی محققین اس لیے ہیں کہ ان کی بات یہاں وہابی صاحب کی ضرورت ہے ورنہ محقق تو اسے کہا جاتا ہے جس کی تحقیق قرآن و حدیث کے موافق ہو جب کہ یہاں ایسا نہیں کیونکہ امام کے پیچھے رکوع ملنے سے رکعت کا صحیح ہونا دلائل سے ثابت ہے جن میں سے ہم نے ابی بکرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث اور تفسیر آیات الاحکام سے علماء کا اتفاق اس پر کہ رکوع ملنے سے رکعت مل جاتی ہے بیان کر چکے ہیں اسی طرح حضرت زید بن وہب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ہے کہ:

قَالَ دَخَلْتُ أَنَا وَأَبْنُ مَسْعُودٍ الْمَسْجِدَ وَالْإِمَامُ رَاسِعٌ فَرَكْعْنَا مَضْمِنًا حَتَّى اسْتَوَيْنَا بِالصَّفِّ فَأَمَّا فَرَعُ الْإِمَامِ قُمْتُ أَقْضَى فَقَالَ قَدْ آذَرَ شَكْنَهُ طَهْرَانِي كَبِيرٌ ج ۹ ص ۲۷۱۔

فرمایا میں ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ساتھ مسجد میں داخل ہوا تو امام اس وقت رکوع میں تھا پس ہم بھی رکوع میں شامل ہو گئے پھر آہستہ چلتے ہوئے صف میں شامل ہو گئے جب امام فارغ ہوا تو میں کھڑا ہو کر رکعت پڑھنے لگا تب ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا بے شک تم نے اس رکعت کو پالیا۔ واضح رہے کہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ بلند پایہ فقیہ مجتہد و محقق اور بارگاہ رسالت کے حاضر باش صحابی ہیں جو فرما رہے ہیں کہ امام کے ساتھ رکوع ملنے سے رکعت مل جاتی ہے مگر وہابی صاحب کے نزدیک محققین اہل حدیث وہ ہیں جو حدیث مرفوعہ اور حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مذکورہ ارشاد اور جمہور علماء کے مذہب کے خلاف ہیں واضح رہے غیر مقلدوں کے علامہ شوکانی نے اقرار کیا ہے کہ جمہور علماء کے نزدیک امام کے ساتھ رکوع ملنے سے رکعت ہو جاتی ہے چنانچہ اپنی نیل الاوطار جزء ثانی ص ۲۲۸ پر لکھتے ہیں: وَأَمَّا اخْتِصَاجُ الْجَمْعِ مَعَ الْفُرْقَانِ بِحَدِيثِ أَبِي بَكْرَةَ حِينَ خَلَفَ الصَّفَّ مَخَافَةَ أَنْ تَفُوتَهُ الرُّكْعَةُ فَقَالَ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَآلِهِ وَسَلَّمَ إِذَا كَانَ اللَّهُ جِزْأً وَلَا تُعَدُّ لَكُمْ يَوْمَئِذٍ بِإِعَادَةِ الرُّكْعَةِ۔ اور بہر حال جمہور علماء کا دلیل پڑنا ابی بکرہ کی حدیث سے جب کہ وہ کھڑے ہو گئے صف سے پیچھے اس خوف سے ان کی رکعت فوت نہ ہو جائے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے فرمایا اللہ تیرا شوق زیادہ کرے پھر ایسا نہ کرنا اور اسے اعادہ رکعت کا حکم نہ دیا۔

ثانیاً: اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَأَرْكَعُوا مَعَ الرَّائِعِينَ۔ اور رکوع کر نیوالے کے ساتھ رکوع کرو۔

اس میں اشارہ ملتا ہے کہ امام کے ساتھ رکوع ملنے سے رکعت ہو جاتی ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے نماز کو رکوع سے تعبیر کیا اور جماعت کو راکعین سے۔ اس مسئلہ پر اور بھی دلائل موجود ہیں مگر ہم طول سے اجتناب کرتے ہوئے انہیں پر اکتفاء کرتے ہیں۔ اب جاء الحق سے غیر مقلدین کا اعتراض نمبر ۷ ملاحظہ ہو۔

ترمذی شریف میں حضرت عبادہ بن صامت سے ایک حدیث مروی ہے جس کے

آخری الفاظ یہ ہیں: قَالَ إِنِّي أَرَاكُمْ تَقْرَأُونَ وَرَأَى إِمَامًا مِنْكُمْ قَالَ قُلْنَا بَلَى قَالَ لَا تَقْرَأُونَ وَالْأَلَا بِإِسْمِ الْقُرْآنِ۔ حضور نے صحابہ سے فرمایا کہ میرے خیال میں تم اپنے امام کے پیچھے قرآن پڑھتے ہو ہم نے عرض کیا ہاں فرمایا سورہ فاتحہ کے سوا کچھ نہ پڑھا کرو۔ اس میں صراحت سے ارشاد ہے کہ امام کے پیچھے مقتدی سورہ فاتحہ پڑھے اور دوسرے سورت نہ پڑھے یہی ہم کہتے ہیں عبادہ بن صامت کی یہ حدیث ابوداؤد۔ نسائی۔ بیہقی میں بھی ہے۔ مفتی صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔ اس اعتراض کے چند جواب ہیں۔ ایک یہ کہ یہ حدیث تمہارے بھی خلاف ہے کیونکہ تم کہتے ہو کہ امام کے ساتھ رکوع ملنے سے رکعت مل جاتی ہے کیوں جناب جب مقتدی پر سورہ فاتحہ پڑھنی فرض ہے تو اس مقتدی کو رکعت بغیر سورہ فاتحہ پڑھے کیسے مل گئی اس کا جواب سوچو جو تم جواب دو گے وہ ہی ہمارا جواب ہوگا۔ دوسرا یہ کہ صرف عبادہ بن صامت سے یہ حدیث مرفوعاً نقل ہے جس میں حضور نے امام کے پیچھے سورہ فاتحہ کا حکم دیا لیکن اس کے خلاف حضرت جابر علقمہ۔ عبد اللہ بن مسعود۔ زید بن ثابت۔ عبد اللہ ابن عباس۔ عبد اللہ بن عمر۔ حضرت علی اور حضرت عمر سے بکثرت روایات منقول ہیں جن میں سے کچھ روایتیں ہم پہلی فصل میں بیان کر چکے ہیں اور طحاوی شریف صحیح البخاری شریف میں بہت زیادہ منقول ہیں تو حضرت عبادہ بن صامت کی یہ روایت حدیث واحد ہے اور ان صحابہ کرام کی وہ روایات حدیث مشاہیر ہیں لہذا انہیں ترجیح ہے۔ اس پر غیر مقلد کا اعتراض نکلتے ہیں ہم نے بھی آگے ثابت کیا ہے کہ آپ کی پیش کردہ جملہ روایات ضعیف بلکہ موضوع ہیں جب کہ حدیث عبادہ صحیح ہے اور صحیح وضعیف میں صحیح کو ترجیح ہوا کرتی ہے اس کی مثال اس طرح سمجھیں کہ دو ہزار آدمی غیر ثقہ بیان کریں کہ مفتی صاحب بے نماز تھے اور اس کے برعکس صرف ایک ہی ثقہ آدمی بیان کرتا ہے کہ مفتی صاحب نماز پڑھتے تھے تو اس ثقہ کی بات کو ہی ترجیح حاصل ہوگی نہ کہ دو ہزار غیر ثقہ کی بات کو۔ نام نہاد دین الحق ص ۲۵۹ الجواب اولاً جب کسی میں حیاء و خوف خدا نہ ہو تو جو جی چاہے کہے لے ورنہ جن احادیث مبارکہ کو مفتی صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی جاء الحق میں بیان کیا ہے ان میں

سے حدیث نمبر ۲ مسلم شریف کی ہے جسے امام مسلم رضی اللہ عنہ خود صحیح کہا ہے اور حدیث نمبر ۳ جامع ترمذی سے ہے جسے امام ترمذی رضی اللہ عنہ نے حسن صحیح کہا ہے اور حدیث نمبر ۱۰ تا ۶۱۰ موطا امام محمد سے ہے جس کو محمد ابن منیع اور ابن ہمام نے شیخین کی شرط پر صحیح کہا ہے۔ مگر کس قدر بے شری کی بات ہے کہ وہابی ان سب کو ضعیف بلکہ موضوع (من گھڑت) کہے رہا ہے اور دوسری طرف عبادہ بن صامت کی حدیث جسے شیخین نے روایت نہیں کیا اور امام ترمذی نے صرف حسن کہا اس کو ان سب احادیث پر ترجیح دے رہا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ جب کوئی حدیث غیر مقلدوں کے خلاف ہو تو پھر ان کو محدثین کی بات پر بھی یقین نہیں آتا۔

ثانیاً: غیر مقلد کی جہالت ہے کہ ایک ثقہ کو دو ہزار غیر ثقہ پر ترجیح دیتا ہے حالانکہ اس قدر بڑی تعداد کی روایت عند العقل یقینی ہوگی۔ اس لیے کہ دو ہزار اشخاص کا غلطی پر جمع ہونا بعید العقل ہے اور از روئے اصول بھی خبر متواتر ہے جو کہ یقین کا فائدہ دیتی ہے بعض کے نزدیک چالیس اشخاص حد ہے بعض کے ہاں ستر اور بعض کے نزدیک اس سے بھی زائد اور صحیح مذہب علامہ ابن حجر نے اسے کہا ہے جس میں ہے کہ ہر زمانہ میں اس کے راوی بے شمار ہوں بخلاف خبر واحد کے وہ ظنی ہے اگرچہ راوی ثقہ ہو۔ مگر وہابی کی بے عقلی دیکھو کہ دو ہزار پر ایک ہی ثقہ کو ترجیح دیتا ہے۔

جاء الحق سے غیر مقلدوں کے اعتراض کا تیسرا جواب:

تیسرے یہ کہ تمہاری پیش کردہ حدیث عبادہ قرآن کے بھی خلاف ہے قرآن نے تلاوت کے وقت خاموشی کا حکم دیا ہے ہماری پیش کردہ احادیث کی چونکہ قرآن تاہید کر رہا ہے لہذا انہیں ترجیح ہے۔ غیر مقلد کا اس پر پہلا اعتراض۔ آپ کی پیش کردہ آیت کو خود اکابر احناف نے فافروہ و اما یسرو کے معارض قرار دے کر سنت کی طرف رجوع کا حکم لگایا ہے۔

نام نہاد دین الحق ۱۲۵۹ الجواب اولاً ابھی آگے آئے گا جس میں وہابی صاحب کے رہے ہیں کہ قرآن و حدیث میں قطعاً تعارض نہیں ہوتا اور یہاں احناف کے معارض

کہنے کو اپنی دلیل بنالیا۔

ثانیاً: نور الانوار میں جو دو آیتوں میں تعارض کا کہا گیا وہ تعارض ظاہری کے اعتبار سے ہے حقیقی تعارض تب ہو جب کہ فاسق و فاسقہ و امیں مقتدی کو قرأت کا حکم ہو۔ جاء الحق سے چوتھا جواب مفتی صاحب فرماتے ہیں: تمہاری پیش کردہ حدیث میں امام کے پیچھے سورہ فاتحہ پڑھنے کا حکم ہے اور ان احادیث میں جو کہ ہم نے پیش کیں اس کی ممانعت ہے نصوص میں مقابلہ ہو تو ممانعت کی نص کو ترجیح ہوتی ہے دیکھو غیر اللہ کو سجدہ تعظیسی کا حکم قرآن کریم میں موجود فرشتوں کو اس کا حکم دیا گیا بلکہ شیطان غیر اللہ کو سجدہ نہ کرنے کی وجہ سے مردود ہوا مگر دوسری نصوص میں اس سجدے کی ممانعت کی گئی اب اس ممانعت پر ہی عمل ہے۔ اس پر غیر مقلد کا اعتراض۔ ملائی کے دل میں جو آیا وہ لکھتے رہے جو ان کی کم آگاہی بلکہ جہالت پر واضح دلیل ہے یہاں فاتحہ پڑھنے اور عدم کی احادیث میں تعارض تسلیم کرتے ہیں جب کہ دوسری طرف یہ لکھتے ہیں کہ فاتحہ پڑھنے کا حکم منسوخ ہے اور اس نام کے مفتی کو یہ بھی معلوم نہیں تھا کہ نسخ وہ منسوخ میں تعارض نہیں ہوا کرتا۔ نام نہاد دین الحق ص ۲۶۰ الجواب وہابی بے عقل کو یہ بھی معلوم نہیں کہ یہ محققین کا طریقہ ہے کہ اول مخالف کے موقف کا دلائل سے رد کرتے ہیں پھر کہتے ہیں کہ اگر اس موقف کو صحیح بھی مانا جائے تو پھر بھی فلاں وجہ سے قابل عمل نہیں یہی طریقہ مفتی صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے اختیار کیا ہے کہ پہلے مخالفوں کے موقف کا دلائل سے رد کیا ہے۔ اس جگہ ان کا مطلب یہ ہے کہ اگر بالفرض مخالفوں کے دعویٰ کی دلیلوں کو مان لیا جائے تب بھی قابل عمل ہمارے ہی دلائل ہیں کیونکہ مخالف مقتدی کو امام کے پیچھے قرأت کے حکم کا دعویٰ کرتے ہیں اور دلیلیں دیتے ہیں جب کہ ہمارے دلائل مقتدی کو ممانعت پر ہیں تو بوقت تعارض ترجیح ممانعت کو ہوتی ہے اس پر آپ نے قرآن سے دلیل بھی پیش کی ہے مگر غیر مقلد عادت سے مجبور ہے خواہ مخواہ اعتراض کر دیتا ہے۔

غیر مقلد کا دوسرا اعتراض:

آپ کی پیش کردہ روایات صحیح نہیں اور حدیث (لَا صَلَوةَ لِمَنْ يَفْرُقُ بَيْنَ خِيَةِ

الکِتَاب) متواتر ہے جیسا کہ امام بخاری کے حوالہ سے گزر چکا ہے۔ احناف کا اصول ہے کہ: وَلَا يَكُونُ بَيْنَ الْمَشْهُورِ وَالْأَحَادِ مِنَ الْحَدِيثِ مُعَارَضَةً۔

نور الانوار حدیث مشہور اور خبر احاد کے درمیان معارض نہیں ہوا کرتا۔ الجواب اولاً جب کسی میں خوف خدا نہ ہو تو وہ جس حدیث کو چاہے خلاف مذہب جان کر ضعیف و موضوع کہے اور جس کو چاہے موافق مذہب جان کر متواتر کا درجہ دے ورنہ ابھی پیچھے ہم نے اپنے موقف پر احادیث کی صحت پر محدثین کے اقوال کا ذکر کیا ہے۔

غیر مقلد کی جہالت کہ خبر واحد کو متواتر کہہ دیا

ثانیاً: اگر غیر مقلد کو تواتر کے شرائط کا علم ہوتا تو وہ حدیث عبادہ کے تواتر کا دعویٰ نہ کرتا حدیث متواتر کے شرائط سے ہے کہ اس کے رواۃ کثیر تعداد میں اور مختلف علاقوں کے ہوں اور ہر زمانے میں ان کی یہ کثرت قائم رہے جب کہ حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث خبر واحد ہے خود وہابی صاحب نے بھی حضرت عبادہ کے سوا کسی اور صحابی کا ذکر نہیں کیا کہ اس نے بھی اس حدیث کو روایت کیا ہو۔

ثالثاً: انہیں کے غیر مقلد حافظ محمد لکھوی نے انواع محمدی کے ص ۶۱ پر احناف کے قول کا یہ آیہ فاسرء واما ليسوا مطلق قرأة پر دلالت کرتی ہے اور اسے خبر واحد سے متفید کرنا قرآن پر زیادتی ہوگی جب کہ خبر واحد سے قرآن پر زیادتی جائز نہیں کے جواب میں اس کے خبر واحد ہونے کا انکار نہیں کیا بلکہ قاعدہ سے ہی راہ فرار اختیار کی حدیث متواتر تو درکنار مشہور بھی ہوتی تو وہ ضرور کہتے کہ ہم خبر واحد سے قرآن پر زیادتی نہیں کرتے ہمارے پاس فلاں حدیث مشہور ہے۔ رابعاً۔ احناف کا اصول جو آپ نے نور الانوار کے حوالہ سے بیان کیا ہے کہ حدیث مشہور اور احاد کے درمیان معارضہ نہیں ہوتا وہ تو اپنی جگہ درست ہے مگر پہلے آپ عبادہ کی حدیث کو مشہور تو ثابت کریں۔ غیر مقلد کا تیسرا اعتراض۔ آپ کا یہ لکھنا کہ نفی کو ترجیح ہوتی ہے اصول فقہ کے خلاف ہے چنانچہ ملا جیون فرماتے ہیں کہ: اذا تعارضت المشيئة والناسي فالمشيئة أولى بالعمل من الناسي۔ نور الانوار جب مثبت اور نفی میں

تعارض ہو تو اس وقت عمل کے اعتبار سے مثبت اولیٰ ہے نفی سے (انھی) جب کہ آنجناب نے لکھا ہے کہ جب ثبوت اور نفی میں تعارض ہو تو ثبوت کو نفی پر ترجیح ہوتی ہے۔ نام نہاد دین الحق ص ۲۶۰ الجواب اولاً: جناب نے نور الانوار سے عبارت پیش کرنے میں خیانت کی ہے۔

دو یوں کہ متصل ہی عند الکفر فی کے الفاظ چھوڑ دیئے کیونکہ اس سے واضح ہو جاتا تھا کہ یہ کفری کا مذہب ہے اہل اصول کا متفقہ اصول نہیں جب کہ وہابی جی کا مطلوب متفقہ اصول ہاور کرانا تھا اس لیے ہدایتی سے خلاف مقصود الفاظ ہی چھوڑ دیئے۔ ثانیاً دوسری خیانت یہ کہ مفتی صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے حکم اور ممانعت میں تعارض کی بات کی تھی وہابی صاحب نے ممانعت کو نفی سے بدلہ پھر اس پر نور الانوار کی عبارت پیش کیں جس میں مثبت و ثانی کی بات ہے اور جاء الحق سے بھی ثبوت اور نفی کا حوالہ دیکر خواہ مخواہ مفتی صاحب پر تضاد کا الزام لگا دیا۔

ثالثاً: غیر مقلدین چونکہ فقہ اور اصول کو مانتے ہی نہیں اور نہ ہی بقاعدہ اسے پڑھتے پڑھاتے ہیں اس لیے بوجہ جہالت حکم و منع کو ثبوت و نفی کی جگہ رکھ دیا اور پھر ثبوت و نفی کا کلیہ حکم و منع پر چسپاں کر دیا حالانکہ ان کے درمیان فرق ہے کہ حکم بصیغہ امر ثابت ہوتا نیز امر دینے والے کو مامور پر فوقیت حاصل ہو اور منع لائے نہی سے ثابت ہوتا ہے اور ثبوت شرع میں نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قول و فعل اور تقریر سب سے حاصل ہو جاتا ہے ایسے ہی زمانہ نزول قرآن میں صحابہ کوئی کام کرتے رہے اور انہیں منع نہ کیا گیا مگر وہابی اس عظیم فرق سے بے خبر ہے اس لیے حکم و ثبوت اور نفی و ممانعت کو ایک ہی سمجھ رہا ہے۔

جاء الحق سے پانچواں جواب

عبادہ بن صامت کی یہ حدیث نہ تو بخاری نے نقل کی نہ مسلم نے ممانعت کی حدیث مسلم شریف میں موجود نیز امام ترمذی نے اسے نقل کر کے اسے صحیح نہ فرمایا بلکہ حسن کہا اور فرمایا کہ زیادہ صحیح کچھ اور ہے حوالہ ملاحظہ ہو ترمذی میں اسی تمہاری حدیث

کے ساتھ ہے۔ قَالَ أَبُو عِيسَى حَدِيثُ عِبَادَةَ حَدِيثٌ حَسَنٌ وَرَوَى هَذَا
 الْحَدِيثُ الزُّهْرِيُّ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ الرَّبِيعِ عَنْ عِبَادَةَ ابْنِ الصَّامِتِ قَالَ لَا
 صَلَوةَ لِمَنْ لَمْ يَقْرَأْ بِقَاتِحَةِ الْكِتَابِ وَهَذَا أَصَحُّ۔ ابویسی کہتے ہیں کہ عبادہ کہ یہ
 حدیث حسن ہے (صحیح نہیں) یہ ہی حدیث زہری نے محمود ابن ربیع سے انہوں نے عبادہ
 بن صامت سے روایت کی کہ حضرت عبادہ نے فرمایا کہ جو سورہ فاتحہ نہ پڑھے اس کی
 نماز نہیں ہوتی یہ ہی روایت زیادہ صحیح ہے۔ پتہ لگا کہ زیادہ صحیح وہ الفاظ ہیں جن میں
 مقتدی کے امام کے پیچھے فاتحہ پڑھنے کا ذکر نہیں تعجب ہے کہ آپ صحیح حدیثوں کے مقابلہ
 میں ایک ایسی حدیث پیش کر رہے ہیں جو قرآن کے خلاف مشہور حدیثوں کے بھی
 خلاف اور امام ترمذی کے نزدیک صحیح بھی نہیں بلکہ حسن ہے اور اس کے خلاف زیادہ صحیح
 ہے جو الزام حنیفوں پر دیا کرتے ہو وہ خود بھی کر رہے ہو۔ اس پر غیر مقلد کا پہلا
 اعتراض۔ مفتی صاحب کی عبارت دوبارہ غور فرمائیں کہ مفتی صاحب نے اعتراض تو یہ
 کرنا تھا کہ روایت عبادہ بخاری و مسلم میں نہیں مگر عبارت ایسی لکھتے ہیں: جس سے
 روایت کا مسلم میں ہونا لازم آتا ہے۔ نام نہاد دین الحق ص ۲۶۱ الجواب اولاً: وہابی
 صاحب خود تو مفتی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی عبارت سمجھ نہیں سکا خواہ مخواہ اعتراض کر دیا
 اس کا مقصد یہ ہے کہ بخاری و مسلم نے عبادہ کی حدیث کو نقل نہیں کیا جب کہ مقتدی کو
 قرأت سے ممانعت کی حدیث مسلم میں موجود ہے ثانیاً عبارت میں لفظ کی کمی بیشی
 صاحب کتاب کی عدم توجہ سے بھی ہو سکتی ہے کاتب کی غلطی بھی تو یہ مصنف کی کم علمی کی
 دلیل نہیں بن سکتی۔ خود غیر مقلد کی نام نہاد دین الحق میں کئی عبارتی غلطیاں موجود ہیں
 مثلاً اسی کے ص ۲۵۰ پر لکھتا ہے باب وجوب القراءة الفاتحة خلف الامام۔ اس میں
 القرأت مضاف اور الفاتحہ مضاف الیہ ہے اور ازروئے قاعدہ مضاف پر الف لام نہیں
 آتا مگر غیر مقلد نے خلاف قاعدہ القرأۃ مضاف پر الف لام داخل کیا ہے اور اسے اس
 کی عدم توجہ بھی نہیں کہہ سکتے بلکہ جہالت ہے۔

غیر مقلد کا دوسرا اعتراض۔ آپ نے یہ شرط کہاں سے نکال لی کہ حدیث صحیح کا

بخاری و مسلم میں ہونا شرط ہے جب کہ آنجناب نے ہی اس کے خلاف شرط رکھی ہے۔
 نام نہاد دین الحق ص ۲۶۱۔

الجواب یہ تو مفتی صاحب نے فرمایا ہی نہیں کہ حدیث کی صحت کا مدار بخاری و مسلم
 پر ہے ان کا مقصد ہے کہ بخاری و مسلم میں تمہارے موقف کی حدیث کا مروی نہ ہونا
 نشان دہی کرتا ہے کہ امام بخاری و مسلم رضی اللہ عنہما کے شرائط پر روایت پوری نہیں اترتی
 ورنہ وہ اسے روایت کرتے۔

غیر مقلد کا تیسرا اعتراض۔ اس روایت کو امام بخاری نے جزء القرأت میں روایت
 کر کے اور اسے صحیح تسلیم کر کے اس سے احتجاج کیا ہے۔ الجواب اولاً: اگر امام بخاری
 نے اس روایت کو صحیح کہا ہوتا تو وہابی صاحب عبارت یہاں ضرور لکھتے ان کا اس عبارت
 کو نہ لکھتا ہی ثابت کرتا ہے کہ امام بخاری نے اسے صحیح نہیں فرمایا۔

ثانیاً: امام بخاری کا کسی روایت کو محض نقل کر دینا صحت کی دلیل نہیں کیونکہ جب
 کوئی بھی مصنف کسی مضمون کو لکھتا ہے تو اس مضمون کے متعلق تمام روایتوں کو زیر تحریر لاتا
 ہے اس کا یہ مطلب نہیں کہ وہ انہیں صحیح بھی مانتا ہو۔

غیر مقلد کا چوتھا اعتراض: آپ کی پیش کردہ روایات میں سے ایک کو بھی
 شیخین نے روایت کرنا تو کما متفق ہو کر صحیح بھی نہیں کہا تو کیا آپ ان روایات کو
 ضعیف تسلیم کرنے کو تیار ہیں۔ نام نہاد دین الحق ص ۲۶۱ الجواب اولاً غیر مقلد صاحب
 نے اعتراض میں ایسی عبارت لکھی ہے جو اس کی بے عقلی پر واضح دلیل کیونکہ اس کی
 عبارت سے سمجھا جاتا ہے کہ شیخین کا کسی حدیث کو متفق ہو کر صحیح کہنا اتنی بڑی بات
 نہیں جتنا بڑا ان کا اسے روایت کرنا ہے حالانکہ محض روایت کر دینا صحت روایت کو
 لازم نہیں کرتا۔

ثانیاً: وہابی جی کا کہنا کہ شیخین نے امام کے پیچھے قرأت کے عدم جواز پر کوئی
 حدیث روایت نہیں کی محض جھوٹ ہے ہم اس سے قبل انہیں کے غیر مقلد شوکانی صاحب
 سے حوالہ دے چکے ہیں کہ انہوں نے امام کے پیچھے قرأت کے عدم جواز پر حدیث لکھنے

کے بعد کیا کہا۔ رواہ الخمسة الا الترمذی وقال مسلم هو صحيح۔ اسے ترمذی کے سوا سب صحاح ستہ نے روایت کیا اور امام مسلم نے فرمایا حدیث صحیح ہے۔ نیل الاوطار جزء ۲ ص ۲۲۲۔ غیر مقلد کا پانچواں اعتراض امام ترمذی نے حضرت عبادہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت ایک اور طریق الزہری عن محمود بن ربیع بیان کر کے لکھا ہے کہ عبادہ کی روایت جو کہ محمد بن اسحاق عن مکحول عن محمود بن ربیع سے مروی ہے کہ وہ زیادہ صحیح ہے محدث مبارک پوری فرماتے ہیں: قوله هذا اصح اى من حديث عبادة المذكورة فى الباب من طريق ابن اسحاق عن مكحول عن محمود بن ربيع تحفة الاحوذى۔ امام ترمذی کا قول کہ وہ زیادہ صحیح ہے یعنی حدیث عبادہ جو کہ اسی باب میں مذکور ہے ابن اسحاق عن مکحول عن محمود بن ربیع کے طریق سے۔ مگر مفتی صاحب الیٰ لنگا بہا رہے ہیں۔ نام نہاد دین الحق ص ۲۶۱ الجواب دیکھنا یہ ہے کہ وہابی صاحب کا زیر بحث حدیث کی صحت کا دعویٰ تراجموت ہے علامہ نیوی اپنی آثار السنن کے باب فی القراءة خلف الامام میں یہی عبادہ بن صامت رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث نقل کرنے کے بعد فرماتے ہیں:

امام کے پیچھے قرأت کے ثبوت کی حدیث میں ضعف کی تین وجہیں

قَالَ النِّسَمِيُّ فِيهِ مَكْحُولٌ وَهُوَ يُدْرِكُ رَوَاهُ مُعْنَعًا وَقَدْ اضْطَرَّ بَ فِي إِسْنَادِهِ وَمَعَ ذَلِكَ قَدْ تَقَرَّرَ بِذِكْرِ مَحْمُودِ بْنِ الرَّبِيعِ عَنْ عِبَادَةَ فِي طَرِيقِ مَكْحُولٍ مُحَمَّدُ بْنُ إِسْحَاقَ وَهُوَ لَا يُخْتَجُّ بِمَا تَقَرَّرَ بِهِ فَأَلْحَدِيَتْ مَعْلُولٌ بِطَلَاكِهِ وَجُوهٌ۔

علامہ محمد بن علی نیوی فرماتے ہیں کہ اس کی سند میں مکحول ہیں جو کہ تدلیس کرتے ہیں اور اس نے اس روایت میں عنعن کیا ہے اور اس کی سند میں اضطراب ہے نیز محمود کے طریق میں عبادہ سے روایت کے بارے محمود بن ربیع کے ذکر میں محمد بن اسحاق نے تفرد کیا ہے پس حدیث ان وجوہ کے ساتھ معلول ہے۔ علامہ نیوی کے اسی بیان کے بعد غیر مقلد کا صحت کا دعویٰ باطل و جھوٹ ثابت ہوا۔ اب جاء الحق سے غیر مقلدوں کا

آٹھواں اعتراض۔

اعتراض نمبر ۸: اکثر صحابہ کرام کا عمل یہ ہی ہے کہ وہ امام کے پیچھے قرأت کرتے تھے امام ترمذی اس حدیث عبادہ ابن صامت کے ماتحت فرماتے ہیں:

وَالْعَمَلُ عَلَى هَذَا الْحَدِيثِ فِي الْقِرَاءَةِ خَلْفَ الْإِمَامِ عِنْدَ أَكْثَرِ أَهْلِ الْعِلْمِ مِنْ أَصْحَابِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَالتَّابِعِينَ۔

امام کے پیچھے قرأت کرنے کے متعلق اکثر صحابہ و تابعین کا اس حدیث عبادہ پر عمل ہے۔

جب اکثر صحابہ کا اس پر عمل ہے تو فاتحہ ضرور پڑھنی چاہیے۔

جواب: اس کے چند جواب ہیں۔ ایک یہ کہ امام ترمذی کا یہاں اکثر فرمانا اضافی نہیں بلکہ حقیقی ہے اس کے معنی یہ نہیں کہ زیادہ صحابہ تو امام کے پیچھے فاتحہ پڑھتے تھے اور کم صحابہ نہ پڑھتے بلکہ اکثر بمعنی چند اور متعدد ہے۔ قرآن کریم فرماتا ہے:

وَكَثِيرٌ مِنْهُمْ عَلَى الْهُدَى وَكَثِيرٌ حَقَّ عَلَيْهِمُ الضَّلَالَةُ

اور ان میں سے بہت ہدایت پر ہیں۔ اور بہت پر گمراہی ثابت ہوگئی۔

حق یہ ہے کہ زیادہ صحابہ قرأت خلف الامام کے تحت خلاف ہیں حضرت زید بن ثابت فرماتے ہیں کہ جو امام کے پیچھے تلاوت کرے اس کی نماز نہیں ہوتی (صحیح البخاری) حضرت انس فرماتے ہیں جو امام کے پیچھے تلاوت کرے اس کا منہ آگ سے بھر جائے۔ (ابن حبان)

حضرت عبد اللہ فرماتے ہیں: جو امام کے پیچھے تلاوت کرے اس کے منہ میں بدبو پھیل جائے۔ (ابن حبان)

حضرت عبد اللہ ابن مسعود اور حضرت علقمہ فرماتے ہیں جو امام کے پیچھے تلاوت کرے اس کے منہ میں خاک ہو۔ (لمحادی شریف)

حضرت علی فرماتے ہیں کہ جو امام کے پیچھے تلاوت کرے وہ فطرت پر نہیں۔ (لمحادی)

(شریف)

حضرت زید ابن ثابت فرماتے ہیں کہ جو امام کے پیچھے تلاوت کرے کاش اس کے منہ میں پتھر ہو۔ (موطا امام محمد عبد الرزاق)

حضرت سعد ابن ابی وقاص فرماتے ہیں کہ جو امام کے پیچھے تلاوت کرے اس کے منہ میں انگارے ہو۔ (موطا امام محمد عبد الرزاق)

حضرت عبد اللہ ابن عمر خود بھی امام کے پیچھے تلاوت نہ کرتے تھے اور سختی سے منع بھی فرماتے تھے کہتے ہیں کہ امام کی قرأت کافی ہے موطا امام محمد یہ تمام روایات طحاوی شریف اور صحیح البہاری میں موجود ہیں یہ تو بطور نمونہ عرض کیا گیا۔ ورنہ ۸۰ صحابہ سے منقول ہے کہ یہ حضرات امام کے پیچھے قرأت سے سخت منع فرماتے تھے دیکھو شامی رحمہ اللہ

وغیرہ اگر بعض روایات میں آجائے کہ ان میں سے بعض حضرات فاتحہ پڑھتے تھے انکا پہلا فعل ہوگا جو بعد کو منسوخ ہو گیا یا تو وہ روایات قابل ترک ہوں گی کیونکہ قرآن کے خلاف ہیں۔ اس پر وہابی کا اعتراض۔ مفتی جی کی خود ساختہ آیت ملا جی نے امام ترمذی کے حوالہ سے ایک اعتراض کیا ہے کہ اکثر صحابہ فاتحہ خلف الامام کے قائل تھے۔ اس کے جواب میں فرماتے ہیں کہ امام ترمذی کا یہاں اکثر فرمانا اضافی نہیں۔ بلکہ حقیقی ہے اس کے معنی یہ نہیں کہ زیادہ صحابہ تو امام کے پیچھے فاتحہ پڑھتے تھے اور کم نہ پڑھتے تھے بلکہ اکثر بمعنی چند اور متعدد ہے قرآن کریم فرماتا ہے:

(وَكَيْفَ يُنْفِذُ عَلَى الْهَدْيِ وَكَيْفَ حَقَّ عَلَيْهِمُ الضَّلَالَةُ)

ان میں سے بہت ہدایت پر ہیں اور بہت پر گمراہی ثابت ہوگئی۔

پوری دنیا رضا خانیوں کو ہماری طرف سے عام دعوت ہے کہ قرآن سے اس قدر ساختہ عربی کو ثابت کرنے پر منہ مانگا انعام دیا جائے گا۔ مگر یاد رکھئے کہ دنیا میں کوئی قرآن چاٹنے والا ہمیں اس کا وجود قرآن سے نہیں دکھا سکتا۔ (۴۰ ہمارے دین الحق ص ۲۴۲)

الجواب اولاً: وہابی جی اس قدر بدحواسی کا شکار ہوا کہ اُردو کی آسان عبارت بھی نہیں سمجھ سکا مفتی صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے امام ترمذی کے قول کی بناء پر غیر مقلدوں کے اعتراض کا جواب رقم فرمایا مگر وہابی جی نے بدحواسی کی بناء پر اعتراض و جواب دونوں کو مفتی صاحب کی طرف منسوب کر دیا۔

ثانیاً: غیر مقلد کا کہنا ہے کہ مفتی صاحب نے آیت اپنے پاس سے گھڑی اور کہنا کہ بریلوی حضرات کو قرآن سے ثابت کرنے پر منہ مانگا انعام دیا جائے گا۔ فقیر کہتا ہے کہ بفضلہ تعالیٰ ہم سنی حنفی بریلوی وہابی نجدی ٹولے کی طرح ضدی نہیں کہ ایک غلطی پر پردہ ڈالنے کو طرح طرح کے جھوٹ و بہانیں تراشنا شروع کر دیں بلکہ ہمیں تسلیم ہے کہ آیت لکھنے میں غلطی ہوئی ہے لیکن فقیر پورے وثوق سے کہتا ہے کہ ایسا سہواً ہے قصداً نہیں کیونکہ مفتی صاحب جیسا کوئی بھی ذمہ دار اور خوف خدا رکھنے والا مسلمان ایسا قصد نہیں کر سکتا۔ پھر مفتی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کو اس کی حاجت ہی کیا جب کہ ان کا مدعی کہ کثرت حقیقی ہے اضافی نہیں قرآن مجید کے دوسرے مقام سے ثابت ہے۔ اس پر برائے مثال یہاں دو آیتیں ملاحظہ ہوں۔ ارشاد ہے: "وَكَيْفَ يُنْفِذُ عَلَى النَّاسِ وَكَيْفَ حَقَّ عَلَيْهِمُ الْعَذَابُ" (سورۃ الحج آیت ۱۸)

سیاق کے اعتبار سے اس کا مفہوم ہے کہ لوگوں میں سے بہت اللہ کے فرمانبردار اور اس کے حضور جھکنے والے ہیں اور ان کے بہتوں پر شرک و نافرمانی کے سبب عذاب ثابت ہو چکا ہے۔ نیز ارشاد ہے: "يُضِلُّ بِهِ كَثِيرًا وَيَهْدِي بِهِ كَثِيرًا"

(البقرہ آیت ۲۶)

اللہ بہتوں کو اس سے گمراہ کرتا ہے اور بہتوں کو اس سے ہدایت فرماتا ہے اب ان دونوں آیتوں میں دونوں جانب کے لوگوں کو کثیر فرمایا اس جگہ مفتی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا بیان کردہ کلیہ ثابت ہے کہ کثیر کی اضافت دونوں جانب حقیقی ہے یعنی دونوں طرف متعدد و کثیر ہیں اور اضافی نہیں اگر اضافی مانی جائے تو معنی ہوگا کہ دونوں طرف ایک دوسرے سے زیادہ ہیں تو ایسا ماننے سے دور لازم آتا ہے جو کہ عند الاصولین باطل

ہے۔ اس بیان سے ظاہر ہوا کہ مفتی صاحب نے جو کلیہ بیان فرمایا وہ حق اور قرآن کریم سے ثابت ہے مگر کوئے کی نظر چونکہ گندگی پر ہی پڑتی ہے اور وہابیوں کی بھی مرغوب غذا کو ہے۔ اور غذا کا اثر طبیعتوں میں ظاہر ہوتا ہے اس لیے ان کو بھی خوبی نہیں بلکہ برائی اور عیب ہی نظر آتا ہے یہی وجہ ہے کہ مفتی صاحب کا جو علمی کلیہ قرآن مجید سے ثابت ہے وہ تو وہابی جی کو نظر نہ آیا مگر ایک سبوا غلطی کو اچھال کر اس پر شور مچانا شروع کر دیا۔ اس جگہ ہم بھی پوری قوم وہابیہ کو چیلنج کرتے ہیں کہ مفتی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے مذکورہ کلیہ کو غلط ثابت کرنے پر منہ مانگا انعام پائیں۔

یہاں تک کا بیان غیر مقلد کے جاء الحق پر اعتراضات کے جوابات میں تھا اب اس کے مذہب کی حمایت میں دیئے گئے دلائل کا جواب ہوگا۔ وَمَا تَوْفِيقِي إِلَّا بِاللّٰهِ۔ پہلی دلیل قرآن سے۔ وَلَقَدْ آتَيْنَكَ مَبْعَاثَيْنِ الْمُنَافَيْنِ وَالْقُرْآنَ الْعَظِيمَ۔

(سورہ حجر آیت ۸۷)

اور ہم نے دی تجھے کو آیتیں وظیفہ اور قرآن بڑے درجہ کا۔ (۲۵۰) ۲۵۰
الجواب اولاً: مبعثا من المثنائین۔ آپ مبارکہ کے مفسرین نے تین احتمال بیان کیے ہیں ایک یہ کہ اس سے مراد سورہ فاتحہ ہے دوسرا یہ کہ مراد پورا قرآن ہے کیونکہ اس میں ہر ایک نوع اپنے مقابل نوع سے مل کر دو ہے مثلاً امر نہیں سے مل کر حرام حلال سے وعدہ وعید سے اور انذار تبشیر سے تیسرا یہ کہ مراد طوالت مفصل سورتیں ہیں اور یہ اصول مسلمہ ہے کہ: إِذَا جَاءَتْكَ الْإِخْتِسَالُ بِطَلَّتِ إِلَّا سُبْحَةً لَّالٌ۔ جب احتمال پایا جائے تو استدلال باطل ہو جاتا ہے۔

غیر مقلد کا استدلال اندھا پن ہے

ثانیاً: اگر مراد سورہ فاتحہ ہے تب بھی اس سے اس کی فضیلت ثابت ہوگی نہ کہ فرضیت کیونکہ سُبْعَاثَيْنِ الْمَثَانِي بطور مدح ہے بطور امر نہیں جب کہ فرضیت امر سے ثابت ہوتی ہے۔ لہذا اس آیت سے غیر مقلد کا سورہ فاتحہ کی نماز میں فرضیت پر استدلال کرنا اندھا پن ہے۔ غیر مقلد کا دوسری آیت سے استدلال (فاسفروا وما

تَمَسَّرَ مِنَ الْقُرْآنِ) پڑھو جو آسان ہو قرآن سے۔ اس آیت سے علماء احناف نے مطلق قرأت کی فرضیت پر استدلال کیا ہے۔ (حدایہ مع فتح القدیر)

ان کے نزدیک یہ آیت قطعی ہے اس کا کوئی نسخ بھی موجود نہیں ہے اور یہ حکم مقتدی کو بھی شامل ہے تبھی تو فقہ حنفی کی اصول کی کتابوں میں اس آیت کو واذا قرأ القرآن کے معارض بتا کر سنت کی طرف رجوع کا فیصلہ کیا گیا ہے۔

(۲۱) ۲۱ نہاد دین الحق ص ۲۵۱

الجواب اولاً: اب خود ہی اپنے جال میں صیاد آگیا۔ اگر آپ کے نزدیک فَافْقُوْا وَمَا تَمَسَّرَ کے عموم میں مقتدی بھی ہے تو اسے فاتحہ کے ساتھ اور سورت پڑھنے سے کیوں منع کرتے ہو وہ بھی تو قرآن ہے۔

ثانیاً: اگر اس کے عموم مانتے ہو تو سورہ فاتحہ کا بطور فرض کس لیے تعین کرتے ہو جب کہ عموم کا تقاضا ہے جہاں سے قرآن پڑھنا آسان و میسر ہو پڑھو۔ ثالثاً: بہت بڑی فریب کاری اور واضح تضاد ہے کہ ایک طرف تو احناف کے استدلال کو مانتے نہیں ہو اگر مانوں تو سورہ فاتحہ بطور فرض تعین کیوں کرو مگر جب اپنے مذہب کو دلیل درکار ہو تو احناف کا استدلال بطور دلیل پیش کرتے ہو۔ رابعاً: زیر بحث آیت کے عموم سے صرف ہم احناف ہی مقتدی کو مخصوص نہیں کرتے بلکہ امام مالک اور اس کے زمانہ کے علمائے مدینہ بھی آپ اذافرئ القرآن کے پیش نظر جہری نمازوں میں مقتدی کو مخصوص کرتے تھے اور مقتدی کو قرأت سے منع فرماتے تھے اور خود غیر مقلدین بھی سورہ ملائے کے بارے مقتدی کو آپ مبارکہ کے عموم سے مخصوص کرتے ہیں۔

غیر مقلد کا تیسری آیت سے استدلال۔

(وَأَنَّ تَمَسَّرَ لِلنَّاسِ إِلَّا مَا مَسَعَى) سورہ النجم آیت ۳۹

ہر انسان کو اس کی کوشش ہی کام آئے گی۔ الجواب اولاً

غیر مقلد کے آیت سے استدلال کا جواب

وہابی صاحب نے مذکورہ آیت سے وجہ استدلال نہیں بیان کی کہ اس کا کونسا لفظ

امام کے پیچھے مقتدی پر فاتحہ کی فرضیت ثابت کرتا جب کہ کلام اس کا مقتدی پر فاتحہ کی فرضیت ثابت کرنے میں ہے۔

ثانیاً: اگر وہابی صاحب کی مراد ہے کہ آیہ مبارکہ میں بیان ہوا ہے کہ ہر آدمی کو اپنی کوشش کا فائدہ اور ثواب ہوگا لہذا مقتدی بھی فاتحہ پڑھے گا تو اس کی نماز ہوگی ورنہ نہیں ہوگی تو فقیر کہتا ہے پھر فاتحہ کے ساتھ مقتدی کو سورۃ ملانے سے کیوں منع کرتے ہو وہ بھی تو واجب ہے بلا پڑھے اس کا واجب کیسے ادا ہوگا۔

ثالثاً: جیسے پڑھنا قاری کی کوشش و فعل ہے ایسے ہی سننا سامع کی کوشش و فعل اور اللہ تعالیٰ کے اس امر کو بجالانا ہے۔ جو فرمایا: **وَإِذَا قُرِئَ الْقُرْآنُ فَاسْتَمِعُوا لَهُ وَأَنْصِتُوا**۔ آپ کی پیش کردہ آیت ماسی کے تحت امام کے پیچھے قرأت سننے والے کو ثواب ملنا چاہیے اگر نماز قبول نہ ہو تو اسے ثواب کیا ملا وہابی جی کو میرا مشورہ ہے کہ وہ ایسی بے ٹکی دلیلیں و ہابیوں کو ہی دیا کریں اگر اوروں کو دیں گے تو اپنی بے عقلی ہی ظاہر کریں گے۔ غیر مقلد کا چوتھی آیت سے استدلال۔ **وَإِذْ نُنَزِّلُكَ فِي نَفْسِكَ تَضَرَّعًا وَخِيفَةً**۔ (سورۃ اعراف آیت ۲۰۵)

”اور ذکر کر اپنے رب کا آہستہ عاجزی کے ساتھ اور ڈر سے۔“

اس آیت سے قبل چونکہ قرآن پاک سننے کا حکم ہے اس لیے یہاں بتلایا گیا ہے کہ آہستہ پڑھو اور آہستہ پڑھنا انصاف اور سماع کے منافی نہیں ہے۔

(تام نہاد دین الحق ص ۲۵۱)

نوٹ: اصل میں انصاف تھا جسے وہابی نے انصاف لکھ دیا۔

الجواب اولاً: وہابی جی نے آیہ مبارکہ کو اپنے مذہب کے تابع کرنے کی بھرپور کوشش کی ہے مگر اہل شعور جان لیں گے کہ یہ آیہ مبارکہ وہابی مذہب کو ہرگز مفید نہیں کیونکہ ارشاد ہے **وَإِذْ نُنَزِّلُكَ فِي نَفْسِكَ تَضَرَّعًا وَخِيفَةً**۔ اور ذکر متعدد چیزوں کو شامل ہے۔ تسبیح و تہلیل و قرأت ذکر قلبی و لسانی سب اس میں داخل ہیں ثبوت کے لیے تفسیر روح البیان و تفسیر نسفی اور صاوی کو ملاحظہ کریں مذکورہ تمام چیزوں سے صرف فاتحہ خلف

الامام کی تخصیص کرنا ترجیح بلا مرجح ہے جو عند اہل الاصول لا يجوز کے تحت آتی ہے۔

ثانیاً: اگر آیہ مبارکہ سے مراد قرأت خلف الامام لو تو پھر اس میں وہ کونسا اشارہ ہے جو امام کے پیچھے سورۃ فاتحہ کی تو اجازت دیتا ہے لیکن آگے پڑھنے کو مانع ہے؟ اگر ایسا نہیں اور ہرگز نہیں تو پھر امام کے پیچھے فاتحہ کے ساتھ اور سورۃ ملایا بھی کرو۔

ثالثاً: غیر مقلدین مل کر بتائیں کہ زہر بحث آیت سے کس معتبر محدث مفسر نے فاتحہ خلف الامام کی فرضیت پر استدلال کیا ہے؟ اگر نہیں کیا تو پھر اپنے مذہب کی خاطر تفسیر بالرائے سے باز رہو اللہ سے ڈرو۔

رابعاً: ”وَإِذَا قُرِئَ الْقُرْآنُ“ میں امام کی قرأت خاموشی سے سننے کا حکم صریح ہے تو صریح کے مقابلہ میں مجمل سے استدلال کرنا اصول و عقل کے خلاف ہے۔

خامساً: وہابی صاحب نے اپنے کہہ کو خود جھٹلا دیا کیونکہ قبل ازیں اس صاحب نے آیہ مبارکہ **وَإِذَا قُرِئَ الْقُرْآنُ** کو کفار کے متعلق ثابت کرنے کو ایڑی چوٹی کا زور لگایا ہے لیکن اب چونکہ اپنے خود ساختہ مذہب کو ثابت کرنا تھا تو پہلے کے خلاف کہہ دیا کہ اس آیت سے قبل چونکہ قرآن پاک سننے کا حکم ہے اس لیے یہاں بتلایا گیا کہ آہستہ پڑھو اور آہستہ پڑھنا انصاف و سماع کے منافی نہیں۔ قرآنی آیات کے جواب کے بعد اب فریق ثانی کی اپنے موقف پر پیش کردہ احادیث کا جائزہ لیتے ہیں۔ **وَمَا تَوْفِيقِي إِلَّا بِاللَّهِ** **وَهُوَ حَسْبِيَ وَنِعْمَ الْوَكِيلُ**۔ واضح رہے کہ دلائل کے میدان میں وہابی صاحب نے اپنے موقف پر کہ امام کے پیچھے مقتدی کو فاتحہ پڑھنا فرض ہے بزم خود ہاراں حدیثیں شمار کیں ہیں ان کے نقلی و عقلی جوابات حضرت حکیم الامت مفتی احمد یار خاں نعیمی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے کافی وافی و شافی دیئے ہیں۔ مگر طائفہ وہابیہ غیر مقلدہ کی عادت قدیمہ ہے کہ وہ اپنے مذہب پر ضعیف دلیل کو بھی نص قطعی کے مقام پر لانے کی کوشش کرتے ہیں اور اپنے مذہب کے خلاف نص قویہ کو بھی ضعیف و موضوع کہے دیتے ہیں فقیر بفضلہ تعالیٰ دلائل کی روشنی میں ثابت کرتا ہے کہ ان کا یہ دعویٰ درست

نہیں۔

اولاً: فاتحہ خلف الامام کی فرضیت کے قائلین وہ احادیث جنہیں وہ اپنے موقف پر پیش کرتے ہیں جیسا کہ عبادہ بن صامت رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت کہ: لَا صَلَوةَ لِمَنْ لَمْ يَقْرَأْ بِفَاتِحَةِ الْكِتَابِ اور ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت: مَنْ صَلَّى صَلَوةً لَمْ يَقْرَأْ فِيهَا بِأَمِّ الْكِتَابِ فِيهِ خِطَاٌ۔ اور اسی کے مشابہ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی روایت اور حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کی روایت کہ: قَالَ أَمْرُنَا أَنْ نَقْرَأَ بِفَاتِحَةِ الْكِتَابِ وَمَا تَكْسَرُ۔ اور رفاعہ بن رافع الزررقی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت جس کے الفاظ ہیں: ثُمَّ أَقْرَأَ بِأَمِّ الْقُرْآنِ ثُمَّ أَقْرَأَ بِمَا شِئْنَا۔ ان روایتوں کو علامہ نیوی اپنی آثار السنن میں بیان کرنے کے بعد فرماتے ہیں:

غیر مقلدوں کے امام کے پیچھے فرضیت فاتحہ پر دلائل کے ضعف کا بیان
وَفِي الْأَسْنَدِ لَالٍ بِهَذِهِ الْأَحَادِيثِ نَظَرٌ۔ یعنی ان حدیثوں سے دلیل پکڑنے میں نظر ہے خود ہی نظر کی صراحت کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

”قُلْتُ قَالَ الْقُرْمِذِيُّ قَالَ أَحْمَدُ بْنُ حَنْبَلٍ مَعْنَى قَوْلِهِ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَآلِهِ وَسَلَّمَ لَا صَلَوةَ لِمَنْ لَمْ يَقْرَأْ بِفَاتِحَةِ الْكِتَابِ۔ إِذَا كَانَ وَحْدَهُ وَقَالَ أَبُو دَاوُدَ قَالَ سُفْيَانُ لِمَنْ يَصَلِّي وَحْدَهُ۔ قُلْتُ وَالْأَوَّلَى أَنْ يُقَالَ إِنَّ هَذَا الْحُكْمُ لِمَنْ كَانَ ضَامِنًا لِلصَّلَاةِ وَمُسْتَكْفِلًا لَهَا إِمَامًا كَانَ أَوْ مُتَفَرِّدًا وَيُؤْتِدُهُ مَا رَوَاهُ مُسْلِمٌ وَفِي رَوَايَةِ النَّسَائِيِّ مِنْ طَرِيقٍ مُعْتَمَرٍ عَنِ الزُّهْرِيِّ فِي آخِرِ حَدِيثِ الْبَابِ لَفْظُ فَصَاعِدًا۔“

”التعین علی آثار السنن میں کہتا ہوں کہ امام ترمذی نے فرمایا کہ امام احمد بن حنبل فرماتے ہیں: نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ارشاد جس نے سورۃ فاتحہ نہ پڑھی اس کی نماز نہ ہوئی کا معنی ہے کہ جب اکیلا ہو اور ابو داؤد نے کہا کہ حضرت سفیان ثوری نے فرمایا یہ حکم اس کا ہے جس نے اکیسے نماز

پڑھی میں کہتا ہوں اولیٰ یہ ہے کہ کہا جائے یہ حکم اس کے لیے ہے جو نماز کا ضامن اور اس کا ذمہ دار ہو امام ہو یا منفرد اور اس کی تائید کرتا ہے جسے امام مسلم نے ایک روایت میں روایت کیا اور نسائی نے معمر بن زہری کے طریق سے حدیث کے آخری لفظ ہیں۔“

فصاعداً یعنی فاتحہ کے ساتھ کچھ زیادہ اس میں احمد اور امام سفیان ثوری رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی تصریح سے اظہار من اکتس ہوا کہ یہ حکم جو فاتحہ نہ پڑھے اس کی نماز نہیں ہوتی اس وقت ہے جب کوئی امام یا منفرد ہو مقتدی شامل نہیں اور بفضلہ تعالیٰ ہم احناف بھی مانتے ہیں لیکن ہمارے نزدیک سورۃ فاتحہ امام و منفرد پر واجب ہے فرض نہیں۔

ثانیاً: فاتحہ خلف الامام کی فرضیت و رکنیت کے قائلین کا موقف اس لیے بھی ضعیف ہے کہ جو دلائل وہ اس کی فرضیت و رکنیت ثابت کرنے کو پیش کرتے ہیں ان میں بھی اختلاف ہے بعض سے جہری نمازوں میں امام کے پیچھے قرأت کا منع ثابت ہوتا ہے اور بعض سے جہری و سری سب میں پڑھنا ثابت ہوتا اب جو جہری و سری دونوں طرح کی نمازوں میں فاتحہ خلف الامام کے قائل و فاعل ہیں وہ قرآن و حدیث سے ان دلائل کا خلاف کرتے ہیں جس سے واضح طور پر امام کے پیچھے قرأت کا منع ثابت ہے اور ان کا خلاف بھی جن سے جہری نمازوں میں منع ثابت۔

مثلاً نسائی جزء اول ص ۱۳۶ پر ہے:

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَآلِهِ وَسَلَّمَ أَنْصَرَفَ مِنْ صَلَوةٍ جَهَرَ فِيهَا بِالْقِرَاءَةِ فَقَالَ هَلْ قَرَأَ مَعِيَ أَحَدٌ مِنْكُمْ إِنَّمَا قَالَ رَجُلٌ نَعَمْ يَا رَسُولَ اللَّهِ قَالَ إِنِّي أَقُولُ مَا لِي أُنَارِعُ الْقُرْآنَ فَانْتَهَى النَّاسُ عَنِ الْقِرَاءَةِ فِيمَا جَهَرَ فِيهِ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِالْقِرَاءَةِ مِنَ الصَّلَاةِ حِينَ سَمِعُوا ذَلِكَ۔

”حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ہے کہ بے شک رسول اللہ صلی

اللہ علیہ وسلم نماز سے فارغ ہوئے جس میں قرآن بلند پڑھا جاتا ہے تو فرمایا کیا تم میں سے کسی نے میرے پیچھے قرأت کی ہے؟ ایک شخص عرض گزار ہوا ہاں یا رسول اللہ فرمایا: تبھی میں کہتا ہوں مجھے کہ کیا ہے کہ میں قرآن سے جھگڑتا ہوں پس لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پیچھے قرأت سے رک گئے ان نمازوں میں جن میں آپ جہر قرأت کرتے تھے۔ جب انہوں نے یہ ارشاد سنا۔

امام کے پیچھے فاتحہ کے بارے مذاہب آئمہ

ثالثاً: آئمہ اربعہ میں سے صرف امام شافعی رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنے جدید قول کے مطابق فاتحہ خلف الامام جہری و سری سب فرض نمازوں میں وجوب کے قائل ہیں قدیم قول ان کا بھی تھا کہ جہری نماز میں مقتدی پر فاتحہ واجب نہیں مگر آخر زندگی وفات سے دو سال قبل جب آپ مصر میں قیام پذیر ہوئے نیا قول یہ فرمایا کہ جہری نمازوں میں بھی مقتدی پر فاتحہ واجب ہے۔ اسی نئے قول پر ہی شوافع کے ہاں عمل ہے۔ مہذب میں ہے:

”وَهَلْ يَجِبُ عَلَى الْمَأْمُومِ؟ يُنْظَرُ فِيهِ وَإِنْ كَانَ فِي صَلَاةٍ يُسِرُّ فِيهَا بِالْقِرَاءَةِ وَجَبَتْ عَلَيْهِ وَإِنْ كَانَ فِي صَلَاةٍ يُجْهَرُ فِيهَا فَلَيْفِيهِ قَوْلَانِ قَالَ فِي الْأَمِّ وَالْبُؤَيْطِيِّ وَقَالَ فِي الْقَدِيمِ لَا يَقْرَأُ“۔

ملخصاً: اولہ کاملہ ص ۶۳ کیا مقتدی پر فاتحہ واجب ہے؟ اس میں دیکھا جائے گا اگر وہ سری نماز ہے تو مقتدی پر فاتحہ واجب ہے اور اگر نماز جہری ہے تو اس میں امام شافعی سے دو قول ہیں کتاب الام اور بویطی میں کہا واجب ہے۔ اور ان کا قدیم قول ہے کہ مقتدی جہری نمازوں میں فاتحہ نہ پڑھے۔ امام احمد رضی اللہ عنہ کا مذہب ہے کہ اگر مقتدی جہری نماز میں امام کی قرأت سنتا ہو تو فاتحہ پڑھنا جائز نہیں ورنہ جائز ہے اور سری نماز اور جب امام کی قرأت نہ سنتا ہو فاتحہ پڑھنا مقتدی کے لیے مستحب ہے واجب نہیں۔ مختصر الخرقی میں ہے:

وَالْمَأْمُومُ إِذَا سَمِعَ قِرَاءَةَ الْإِمَامِ فَلَا يَقْرَأُ بِالْحَمْدِ وَلَا بِغَيْرِهَا
وَالْإِسْتِحْبَابُ أَنْ يَقْرَأَ فِي مَسْكَاتِ الْإِمَامِ فِيمَا لَا يُجْهَرُ فِيهِ فَإِلَّا
يَفْعَلْ صَلَوَتُهُ قَائِمَةٌ لِأَنَّ مَنْ كَانَ لَهُ إِمَامٌ فَقِرَاءَةُ الْإِمَامِ لَهُ قِرَاءَةٌ۔
(المخفی - ج ۱ ص ۲۰۳)

”مقتدی جب امام کی قرأت سن رہا ہو تو نہ سورہ فاتحہ پڑھے نہ کوئی اور سورہ اور امام کے سکتوں کے درمیان اور سری نماز میں فاتحہ پڑھنا مستحب ہے پس اگر مقتدی نے فاتحہ نہ پڑھی تو اس کی نماز تام ہے کیونکہ جس کا امام ہو تو امام کی قرأت اس کے لیے بھی قرأت ہے۔“

امام احمد نے استدلال کر کے صحت حدیث کی تصدیق کر دی

فائدہ مندرجہ بالا عبارت کے آخر میں دی گئی حدیث سے امام احمد بن حنبل کا استدلال کرنا ثابت کرتا ہے کہ ان کے نزدیک بھی یہ حدیث صحیح و قابل استدلال ہے۔ امام مالک کے نزدیک جہری نمازوں میں امام کے پیچھے قرأت کرنا مکروہ ہے خواہ وہ امام کی قرأت سنتا ہو یا نہ اور سری نماز میں امام کے پیچھے فاتحہ پڑھنا مستحب ہے فرض و رکن نہیں چنانچہ کتاب الفقہ علی المذاہب الاربعہ میں ہے۔ اَلْمَالِكِيُّ قَالُوا تُكْرَهُ الْقِرَاءَةُ الْمَأْمُومِ فِي الصَّلَاةِ الْجَهْرِيَّةِ وَإِنْ لَمْ يَسْمَعْ أَوْ سَكَتَ الْإِمَامُ۔ (ج ۱ ص ۲۵۲)

مالکیہ کہتے ہیں کہ جہری نمازوں میں مقتدی کو قرأت مکروہ ہے۔ اگرچہ وہ امام کی قرأت نہ سنتا ہو یا امام نے سکتہ کیا ہو اس بیان سے واضح ہوا کہ غیر مقلدین کا موقف کہ جہری و سری سب میں خلف الامام فاتحہ پڑھنا ہے اس سے قرآن و حدیث سے ان دلائل کا خلاف لازم آتا ہے جن میں امام کے پیچھے قرأت مطلقاً منع ہے اور ان کا خلاف بھی جن میں جہری میں منع ثابت ہے اور امام شافعی کے علاوہ اور کوئی امام بھی جہری نماز میں امام کے پیچھے فاتحہ پڑھنے کا قائل نہیں۔ مگر وہابی صاحبان کو اپنی ضد پر اڑے رہنے کی عادت ہے جو کہ ایک لاعلاج مرض ہے۔ یاد رہے کہ غیر مقلد نے اپنے موقف پر پیش کی گئی روایتوں کی صحت کے بہت بلند بائگ دعوے کیے ہیں دیکھنا یہ ہے

کہ اس میں حقیقت کس قدر ہے اس صاحب نے اپنے مذہب پر کہ مقتدی پر بھی فخر
پڑھنا فرض ہے کل ہمارا حدیثیں پیش کی ہیں ان میں سے چھ صرف عبادہ بن صامت
رضی اللہ عنہ سے منقول ہیں جن کے اسناد کے ضعف اور لفظی و معنوی اضطراب و اختلاف
کے سبب علامہ نیوی نے حدیث عبادہ کو تین وجوہوں سے معلول اور ناقابل حجت کہہ
ہے۔

غیر مقلدوں کی فاتحہ خلف امام پر پیش کردہ حدیث میں ضعف

ملاحظہ اولاً: قَالَ النَّيْمَوِيُّ فِيهِ مَكْحُولٌ وَهُوَ يُذَلِّسُ رَوَاهُ مُعْتَمَدًا
وَقَدْ اضْطَرَبَ فِي إِسْنَادِهِ وَمَعَ ذَلِكَ قَدْ تَفَرَّدَ بِذِكْرِ مَحْمُودِ بْنِ
الرَّبِيعِ عَنْ عِبَادَةَ فِي طَرِيقِ مَكْحُولٍ مُحَمَّدُ بْنُ إِسْحَاقَ وَهُوَ لَا يُحْتَجُّ
بِمَا تَفَرَّدَ بِهِ قَالَ حَدِيثٌ مَعْلُومٌ بِخَلَاةٍ وَجُوهٍ۔ (آثار السنن ص ۷۷)
”علامہ نیوی نے کہا کہ اس کی سند میں مکحول ہے اور وہ تدلیس کرتا ہے
اور اس نے اسے معنعن سے بیان کیا ہے اور اس کی سند میں اضطراب اور
اس کے ساتھ ساتھ عبادہ سے مکحول کے طریق میں محمود بن ربیع کے ذکر
میں محمد بن اسحاق نے تفرّد کیا اور وہ روایت قابل حجت نہیں جس وہ تفرّد
کرے پس حدیث تین وجوہ سے معلول ہے۔“

ثانیاً: تہذیب التہذیب ج ۱۰ ص ۲۹۰ پر علامہ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے

ہیں:

”مَكْحُولُ الشَّامِيُّ أَبُو عَبْدِ اللَّهِ وَيُقَالُ أَبُو أَيُّوبَ وَيُقَالُ أَبُو مُسْلِمٍ
الْفَقِيهُ الدَّمَشْقِيُّ رَوَى عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَآلِهِ وَسَلَّمَ
مُرْسَلًا وَأَبِي بَنٍ كَعْبٍ وَثَوْبَانَ وَعِبَادَةَ بْنَ الصَّامِتِ وَأَبِي هُرَيْرَةَ
وَعَائِشَةَ وَأُمَّ أَيْمَنَ وَأَبِي ثَعْلَبَةَ الْخُبَزَانِيَّ مُرْسَلًا۔“

”مکحول شامی ابو عبد اللہ اور ابو ایوب بھی کہا جاتا ہے اور ابو مسلم بھی فقیہ
دمشقی ہے اس نے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے مرسل روایت کی ہے۔ اور

ابی بن کعب اور ثوبان اور عبادہ بن صامت اور ابو ہریرہ اور حضرت عائشہ
اور ام ایمن اور ابو ثعلبہ الخثعمی رضی اللہ عنہم سے مرسل روایتیں کی ہیں۔“
اور مرسل روایت پر غیر مقلد کو سخت اعتراض ہوتا ہے۔ ثالث۔ میزان الاعتدال
میں بھی مکحول کو مشکلم فیہ ٹھہرایا گیا ہے۔ (ج ۴ ص ۱۷۷)
لسان المیزان میں مکحول کا کثیر صحابہ سے مرسل روایت کرنا ذکر کیا گیا ہے رابعاً
اب مکحول کے اسناد نافع بن محمود کا حال ملاحظہ ہو۔ میزان الاعتدال جزء ۴ ص ۲۴۲ پر
علامہ ذہبی لکھتے ہیں:

نَافِعُ بْنُ مَحْمُودٍ الْمُقَدِّسِيُّ عَنْ عِبَادَةَ فِي الْفَرَاةِ خَلْفَ الْإِمَامِ
وَعَنْهُ حُزَامُ بْنُ حَكِيمٍ لَا يُعْرَفُ بِغَيْرِ هَذَا الْحَدِيثِ وَلَا هُوَ فِي
كِتَابِ الْبَخَارِيِّ وَابْنِ أَبِي حَاتِمٍ ذِكْرُهُ إِنَّ حَبَانَ فِي الْيَقَاتِ وَقَالَ
حَدِيثُهُ مُعَلَّلٌ وَرَوَى عَنْهُ مَكْحُولٌ۔

”ایضاً: یعنی نافع بن محمود المقدسی نے عبادہ بن صامت سے امام کے پیچھے
قرأت کے متعلق روایت کی اور اس سے حزام بن حکیم روایت کرتے ہیں
مگر اس ایک حدیث کے علاوہ کہیں پہچانے نہیں جاتے اور وہ بخاری کی
سند میں نہیں ہیں اور نہ ہی ابن ابی حاتم نے سند میں ان کا ذکر کیا اور ابن
حبان نے نافع کا ذکر ثقات میں کیا ہے مگر اس کی حدیث کو معلل کہا ہے
اور ان سے وہ معلل حدیث مکحول نے روایت کی ہے۔“

خامساً: علامہ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے نافع کو مستور الحال کہا ہے۔ تقریب

التہذیب (ج ۲ ص ۲۳۹)

سادساً: نافع اپنے باپ محمود بن ربیع سے روایت کرتے ہیں مگر ان کی حدیث کا
طن محمود بن ربیع کی حدیث سے مختلف ہے یوں لگتا ہے جیسے یہ دو حدیثیں ہیں۔ تہذیب
التہذیب۔ (ج ۱۰ ص ۴۱۰)

سابعاً: صحیح ابن خزمہ اور جامع ترمذی کی سند میں ایک راوی محمد بن اسحاق ہے اس

میں محدثین کو سخت کلام ہے۔ ملاحظہ کو میزان الاعتدال، ج ۳ ص ۴۶۰

ثامنا: صاحب جوہر الہی فرماتے ہیں:

وَالْغَلَامُ فَنِي ابْنِ إِسْحَاقَ مَعْرُوفٌ وَالْحَدِيثُ مَعَ ذَلِكَ مُضْطَرِبٌ۔ الجوہر الہی مع الہی (ج ۲ ص ۱۶۲)

اور ابن اسحاق میں محدثین کا کلام مشہور ہے اور اس کے ساتھ ساتھ حدیث مضطرب ہے۔

تاسعا: ابن خزیمہ کی اسی حدیث کی سند میں ایک راوی مؤمل ہے جو کہ غیر مقلدوں کی دلیل سینے پر ہاتھ باندھنے کا بھی راوی ہے اس کے متعلق خود لم مقلدوں کے مولوی ناصر صاحب لکھتے ہیں: اسنادہ ضعیف لآن مؤملا وهو ابن اسمعيل سبيء الحفظ۔ (صحیح ابن خزیمہ ج ۱ ص ۲۳۳)

یعنی اس کی سند ضعیف ہے اس لیے کہ اس کی سند میں مؤمل ہے اور وہ اسمعیل بنی ہے جو کہ خراب حافظہ والا ہے۔ عاشر: علامہ ابن حجر عسقلانی۔

تہذیب المجتہب ج ۱ ص ۲۳۱ پر اسی مؤمل کے متعلق لکھتے ہیں: وَقَالَ ابْنُ حَاتِمٍ صَدُوقٌ شَدِيدٌ فِي السَّنَةِ كَثِيرٌ خَطَاءٌ وَقَالَ الْبُخَارِيُّ مُنْكَرُ الْحَدِيثِ۔ یعنی ابوحاتم نے کہا مؤمل سچا ہے سنت کا بہت عامل ہے مگر غلطیاں بہت کرتا ہے اور امام بخاری فرماتے ہیں: منکر الحدیث ہے اب غیر مقلدوں کو چاہیے اگر وہ امام بخاری کے سچے عقیدت مند ہیں تو سینے پر ہاتھ باندھنا ترک کر دیں اور عبادہ بن صامت کی زمرہ بحث روایت کی سند کو ضعیف مان لیں مگر ایسی امید ان سے عبث ہے جو اپنا مذہب بچانے کو صحیح حدیث کو بھی ضعیف و موضوع قرار دیتے ہوں۔ احدی عشر۔ فریق ثانی کی دلیل کی مسلم کی سند میں ایک راوی ابوطاہر جسے خود غیر مقلد نے مجہول کہہ کر قبول نہیں کیا۔ نام نہاد دین الحق ص ۵۳۲ دوسری حدیث غیر مقلد صاحب کی حدیث

لفظ خداج پر بحث

نمبر ۲۵۲ کے تحت حضرت ابوہریرہ حضرت ام المؤمنین عائشہ صدیقہ اور حضرت

عبد اللہ بن عمر اور عبد اللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہم سے بیان کی ہے سب کی روایتوں میں خداج کے لفظ موجود ہیں یعنی جس نے فاتحہ نہ پڑھی اس کی نماز ناقص و ناقص ہے کیونکہ لغات کے اعتبار سے بھی خداج کا معنی ناقص یا تمام ہے اور پھر خود صاحب کلام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم: خداج کی تفسیر ناقص سے کی اور یہ حدیث دو وجہوں سے خود مخالفین کے خلاف ہے اول وجہ خلاف ہونے کی یہ ہے کہ ناقص و ناقص واجب کے ترک سے ہوتی ہے۔

فرض کے ترک سے نماز سرے سے ہوتی ہی نہیں جب کہ غیر مقلدین فاتحہ پڑھنا فرض و رکن کہتے ہیں ثانی اس لیے خلاف ہے کہ حدیث میں ذکر نہیں کہ مقتدی بھی فاتحہ پڑھے مگر حضرت ابوہریرہ کی روایت میں ذکر ہے تو وہ ان کے اپنے الفاظ ہیں اور اس نے دوسری روایت پر قیاس کیا ہے جب کہ غیر مقلدین اس سے مقتدی پر بھی فاتحہ کی فرضیت ثابت کرتے ہیں غیر مقلد کی بیان کردہ تیسری حدیث جسے اس نے حدیث نمبر ۱۱ کے تحت لکھا ہے یوں ہے کہ محمد بن ابی عائشہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک صحابی سے روایت کرتے ہیں کہ ان کا بیان ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: كَرِهَ لَعَلَّكُمْ تَقْرَءُ وَنْ وَالْأَمَامُ يَقْرَءُ قَالُوا إِنَّا لَنَفْعَلُ قَالَ لَا تَفْعَلُوا إِلَّا أَنْ يَقْرَءَ أَخَذَ كُمْ بِقَابِخَةِ الْكِتَابِ۔ شاید تم اس وقت پڑھتے ہو جب امام قرأت کر رہا ہوتا ہے صحابہ نے عرض کیا ہاں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ فاتحہ کے علاوہ کچھ نہ پڑھا کرو۔ (نام نہاد دین الحق ص ۲۶۲)

وہابیوں کا ضعیف روایت سے استدلال

الجواب اولاً: مذکورہ روایت قابل استدلال نہیں کیونکہ اس کی سند ضعیف ہے علامہ نیوی یہی حدیث لکھنے کے بعد فرماتے ہیں: رَوَاهُ أَحْمَدُ وَالْأَخْوَثُونَ وَاسْنَادُهُ ضَعِيفٌ۔ آثار السنن ص ۷۷ اسے امام احمد اور بعضوں نے روایت کیا ہے مگر سند اس کی ضعیف ہے۔

ثانیاً: اسی کے تحت التعلیق الحسن میں فرماتے ہیں: رَوَاهُ عَنْ رَجُلٍ مِنْ

الصَّحَابَةِ مُعْتَمِدًا لَمْ يُصْرَحْ بِالسَّمَاعِ وَلَمْ يَذْكُرْ اسْمَهُ حَتَّى يُنْظَرَ أَنَّهُ أَذَرَكَ
زَمَانَ ذَلِكَ الرَّجُلِ أَمْ لَا وَالْمُعْتَمِدُ لَا يَقْبَلُ إِلَّا إِذَا رَوَاهُ الرَّاويُّ غَيْرُ مُدَلِّسٍ
مِنْ مُعَاَصِرِهِ لِأَنَّ الْمُعَاَصِرَةَ تَشْتَرِطُ فِي الْعَنْتَةِ عِنْدَ مُسْلِمٍ وَاللِّقَاءِ عِنْدَ
الْبُخَارِيِّ وَإِذَا لَمْ تَنْشُبِ الْمُعَاَصِرَةُ فَلَا يَخْلُو مِنْ مُطْنَةٍ - یعنی محمد بن ابی عائشہ
نے اسے صحابہ میں سے کسی سے معتمد سے روایت کیا ہے اور اس میں سماع کی تصریح
نہیں اور صحابی کا نام بھی ذکر نہ کیا کہ اسے دیکھا جاتا آیا اس نے اس صحابی کا زمانہ پایا یا
نہیں اور معتمد والی روایت اس وقت تک قبول نہیں کی جاتی جب تک کی راوی غیر
مدلس نہ ہو اس لیے کہ معتمد کے قبول کرنے میں امام مسلم کے نزدیک ہم عصر ہونا شرط
ہے۔

جب کہ امام بخاری کے ہاں ملاقات بھی شرط ہے اور جب معاصرہ ثابت نہ ہو تو
ظن سے خالی نہیں یقین کا فائدہ نہیں دیتی۔ غیر مقلد کی پیش کردہ بارہویں دلیل:
حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ

”إِنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ صَلَّى بِأَصْحَابِهِ فَلَمَّا قَضَى
صَلَاتَهُ أَقْبَلَ عَلَيْهِمْ بِوَجْهِهِ فَقَالَ اقْرَءُوا وَنَ فِي صَلَاتِكُمْ خَلْفَتُ
الْإِمَامِ وَالْإِمَامُ يَفْرَأُ فَسَكَنُوا فَقَالَ ثَلَاثَ مَرَّاتٍ فَقَالَ قَائِلٌ أَوْ
قَائِلُونَ إِنَّا لَنَفْعَلُ قَالَ فَلَا تَفْعَلُوا الْقِرَاءَةُ أَحَدُكُمْ بِفَانِخِ الْكِتَابَ
فِي نَفْسِهِ“۔

”بلاشبہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کے ساتھ نماز پڑھی جب نماز سے
فارغ ہوئے تو فرمایا کہ امام کی قرأت کی حالت میں تم بھی قرأت کرتے
ہو؟ صحابہ خاموش رہے یہاں تک کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تین
بار کہا تو صحابہ نے عرض کی ہاں فرمایا نہ پڑھا کرو امام کے پیچھے مگر صرف
سورۃ فاتحہ علامہ بیہمی اسے نقل کر کے فرماتے ہیں کہ اس کے تمام راوی ثقہ
ہیں۔“ (۴) نہاد دین الحق ص ۲۶۵

غیر مقلدوں کی دلیل میں ضعف کا بیان

الجواب اولاً: امام بیہمی نے اپنی سنن بیہمی میں زیر بحث روایت کو دو طریقوں
سے بیان کیا ہے ایک ابوقلابہ سے مرسل اور دوسرا مرفوع پھر بطور تنقید فرماتے ہیں: زَلَّ
بَيْسَلٌ عَنْ أَبِي قَلَابَةَ عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ وَلَيْسَ بِمَحْفُوظٍ ج ۲ ص ۱۶۶ اور کہا
ہے کہ ابوقلابہ نے انس بن مالک سے روایت کی ہے اور یہ محفوظ نہیں۔

ثانیاً: مذکورہ روایت غیر محفوظ ہونے کے علاوہ متنازعہ و استلزام مضطرب بھی ہے
چنانچہ اعلام السنن ج ۳ ص ۱۰۳ پر ہے: قُلْتُ هَذَا أَبْضًا مُضْطَرَبٌ الْإِسْنَادُ وَالنَّبِيُّ
فِي كَثِيرٍ مِنَ الْإِسْنَادِ رَوَاهُ عَنْ أَيُّوبَ السَّخْتِيَانِيِّ عَنْ أَبِي قَلَابَةَ عَنِ النَّبِيِّ
صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَآلِهِ وَسَلَّمَ مُرْسَلًا وَمِنْهُمْ مَنْ رَوَاهُ عَنْ قَلَابَةَ عَنْ أَنَسِ عَنِ
النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَمَا يَظْهَرُ مِنْ كِتَابِ الْقِرَاءَةِ لِلْبَيْهَقِيِّ وَغَلَّلَ
الْبَيْهَقِيُّ طَرِيقَةَ أَبِي قَلَابَةَ عَنْ أَنَسٍ مَرْفُوعًا فِي سُنَنِهِ فَقَالَ قَدْ قِيلَ عَنْ أَبِي
قَلَابَةَ عَنْ أَنَسٍ وَلَيْسَ بِمَحْفُوظٍ - یعنی میں کہتا ہوں یہ روایت متن اور سند دونوں
اقتدار سے مضطرب ہے کثیر ثقات نے اسے ایوب سختیانی سے اس نے ابوقلابہ سے اس
نے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے مرسل روایت کیا ہے۔ اور کچھ نے ابوقلابہ سے اس
نے انس سے حضرت انس نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کی ہے جیسا کہ بیہمی کی
کتاب القراءۃ سے ظاہر ہے اور امام بیہمی نے ابوقلابہ کی سند جو انس سے مرفوع ذکر ہوئی
ہے کو معلل کہا ہے۔ اس بیان سے واضح ہوا کہ روایت کے دونوں طریق قابل حجت
نہیں کیونکہ ایک مرسل ہے دوسرا معلل وغیر محفوظ یہاں تک بفضلہ تعالیٰ غیر مقلدین کی
طرف سے اپنے مذہب پر پیش کردہ احادیث کا جواب ہوا اب ان کی طرف سے پیش
کردہ آثار صحابہ رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین پر مختصراً بحث ہوتی ہے۔ اولاً غیر مقلد کو
آثار صحابہ اپنے مذہب پر دلیل بنا مناسب نہیں کیونکہ زیر بحث باب میں مفتی صاحب
رحمۃ اللہ علیہ کے دلائل پر اعتراضات کے ضمن میں درپردہ اس نے آثار صحابہ کی حجت کا
انکار کیا ہے مگر بہانہ یہ بنایا کہ احناف کے درمیان صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم کے اقوال

و افعال کو حجت ماننے یا نہ ماننے میں اختلاف ہے آغاز کلام میں لکھتا ہے کہ رہا صحابہ کرام
قول و عمل تو اس کے بارہ میں اہل علم کی آراء مختلف ہیں اس اختلاف سے قطع نظر
یہاں صرف علمائے احناف کے مسلک کی وضاحت کرنا چاہتے ہیں۔

(امام ہادی بن ابی اسحاق)

اس بحث کے آخر میں غیر مقلد صاحب لکھتے ہیں: یہ ہے آثار صحابہ کے مقلد
علمائے احناف کے مسلک کی مختصر وضاحت مگر افسوس مؤلف جہاں الحق ذریعہ بحث مسئلہ میں
بھی صحابہ کے اقوال کی حجیت کے قائل نظر آتے ہیں۔ وہابی جی کے کلام بے لگام کا نتیجہ
یہ نکلا کہ معاذ اللہ مفتی صاحب کو مناسب نہیں تھا کہ وہ اقوال صحابہ رضوان اللہ تعالیٰ علیہم
کو دلیل بناتے مگر جب وہابی جی کو اپنا مذہب ثابت کرنے کی ضرورت درپیش آئی
صحابہ کرام کے آثار کے بعد تابعین کے ناموں کی فہرست بطور دلیل پیش کر دی کہ
حضرات بھی قرأت خلف الامام کے قائل تھے بہر حال وہابی صاحب نے جن صحابہ کرام
رضوان اللہ علیہم کی طرف آثار منسوب کیے ہیں ان کے اسمائے گرامی یہ ہیں:

۱- امیر المؤمنین حضرت عمر فاروق

۲- امیر المؤمنین حضرت علی المرتضیٰ

۳- حضرت ابی بن کعب

۴- حضرت عبداللہ ابن مسعود

۵- حضرت ابو ہریرہ

۶- حضرت عبداللہ بن عمر

۷- حضرت ابوسعید خدری

۸- حضرت انس

۹- حضرت جابر بن عبداللہ

۱۰- حضرت ابن عباس

۱۱- حضرت ابوذر

۱۲- حضرت عبادہ بن صامت

۱۳- حضرت عبداللہ بن مغفل

۱۴- حضرت ام المؤمنین عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا

”الجواب بعون اللہ الوہاب وهو موفق بالصواب“

اولاً جن چودہ صحابہ کرام کے آثار غیر مقلد نے اپنے مذہب پر بطور دلیل پیش
کیے ہیں ان میں سے اکثر غیر مقلدوں کے خلاف ہیں کیونکہ غیر مقلدوں کے نزدیک
سری و جہری سب نمازوں میں امام کے پیچھے سورہ فاتحہ کا پڑھنا فرض ہے۔

جب کہ ان کے پیش کردہ آثار میں ہے۔ حضرت علی ابن مسعود حضرت جابر ابن
عباس ابن عمر۔ عبداللہ بن مغفل حضرت ابو ہریرہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہم کے آثار
سے صرف سری نماز میں امام کے پیچھے قرأت کا ثبوت ہے۔

ثانیاً: غیر مقلدین امام کے پیچھے صرف فاتحہ پڑھنے کے قائل ہیں مقتدی کو اور
سورۃ پڑھنے سے منع کرتے ہیں مگر ان کے پیش کردہ آثار میں سے عبداللہ بن مغفل
ابو ہریرہ حضرت عائشہ حضرت جابر حضرت انس ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے آثار
میں فاتحہ کے ساتھ امام کے پیچھے اور سورۃ پڑھنے کا بھی ثبوت ہے۔ بہت افسوس کی بات
ہے کہ جن آثار صحابہ پر مقلد خود عمل نہیں کرتے ان کے خلاف چلتے ہیں انہیں کو بوقت
ضرورت اپنی دلیل بھی بتاتے ہیں۔

ثالثاً: امام کے پیچھے قرأت کے منع پر ہمارے پاس صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم کے
واضح ارشادات موجود ہیں جن کو قرآن و سنت کی تائید حاصل ہے ملاحظہ ہوں: عبداللہ
بن ابی لیلیٰ فرماتے ہیں کہ میں نے امیر المؤمنین حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو فرماتے سنا
کہ: مَنْ قَرَأَ خَلْفَ الْإِمَامِ لَقَدْ أَخْطَأَ الْفِطْرَةَ۔ مصنف عبدالرزاق ج ۲ ص ۱۳۷
جس نے امام کے پیچھے تلاوت کی اس نے سنت کے خلاف کیا۔

نماز میں امام کی قرأت کافی ہے ابن مسعود کا ارشاد

تتبعی ج ۲ ص ۱۶۰ پر ہے کہ ایک شخص نے ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے امام

کے پیچھے قرأت کا پوچھا آپ نے فرمایا: اَنْصِتَ لِلْقُرْآنِ فَإِنَّ فِي الصَّلَاةِ مُغْلًا
وَسَيَكْفِيكَ ذَلِكَ الْإِمَامُ۔ یعنی قرآن سننے کے لیے خاموش رہو بے شک نماز میں توجہ
چاہیے اور وہ امام تجھے کافی ہے۔

اس ابن مسعود رضی اللہ عنہ کے ارشاد کے بارے علامہ نیوی۔ اپنی آثار السنن
میں فرماتے: رَوَاهُ الطَّحَاوِيُّ وَاسْنَادُهُ حَسَنٌ۔ اسے امام طحاوی نے روایت کیا اور
اسناد اس کی حسن ہے۔ نافع سے ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کا ارشاد منقول ہے کہ آپ
فرمایا کرتے تھے: مَنْ صَلَّى وَرَاءَ الْإِمَامِ كَقَرَاءَةِ الْإِمَامِ هَذَا هُوَ الصَّحِيحُ مِنْ
قَوْلِهِ ابْنُ عُثْمَانَ۔ (تتبی ۲ ص ۱۶۱)

جس نے امام کے پیچھے نماز پڑھی اسے امام کی قرأت کافی ہے۔ امام بیہقی
فرماتے ہیں یہ روایت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے صحیح منقول ہے۔

مقتدی امام کے پیچھے قرأت نہ کرے حضرت جابر کا ارشاد

الجوہر النقی مع التتبی پر اسی جگہ صاحب الجوہر النقی فرماتے ہیں کہ:

”قُلْتُ الصَّحِيحُ عَنْ جَابِرٍ أَنَّ الْمُؤْتَمَّ لَا يَقْرَأُ مُطْلَقًا كَمَا صَرَّحَ
بِهِ النَّبَهِيُّ أَوَّلًا وَقَالَ ابْنُ أَبِي شَيْبَةَ فِي الْمُصَنَّفِ - ثَنَا وَكُنِعَ عَنِ
الصُّحَّاحِ بْنِ عُثْمَانَ عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ مَقْسَمٍ عَنْ جَابِرٍ قَالَ يَقْرَأُ
خَلْفَ الْإِمَامِ وَهَذَا أَيْضًا مِنْهُ صَحِيحٌ مُتَّصِلٌ عَلَى شَرْطِ
مُسْلِمٍ۔“

”میں کہتا ہوں کہ روایت حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے صحیح مروی ہے
کہ مقتدی امام کے پیچھے مطلقاً قرآن نہ پڑھے جیسا کہ امام بیہقی نے پہلے
اس کی تصریح فرمائی ہے اور ابن ابی شیبہ نے اپنی مصنف میں بیان کیا کہ
ہمیں وکیع نے ضحاک بن عثمان سے اس نے عبید اللہ بن مقسم سے اس
نے جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی کہ اس نے فرمایا کہ مقتدی امام
کے پیچھے قراءت نہ کرے اور یہ روایت امام مسلم کی شرط پر صحیح متصل سند

سے ہے۔“

عبد الرزاق نے اپنی مصنف میں حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ارشاد بیان کیا
ہے کہ فرمایا: لَيْسَتْ فِي قِمِّ الدِّينِ بِقِرَاءَةِ خَلْفَ الْإِمَامِ حَبْرٌ۔ کاش ایسے شخص کے منہ
میں پتھر ہو جو امام کے پیچھے پڑھے۔

مقتدی امام کے پیچھے قرأت نہ کرے ابن عباس کا فتویٰ

آثار السنن کے ص ۸۵ پر علامہ نیوی نے ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کا یہ
ارشاد بیان کیا ہے: عَنْ أَبِي جُمْرَةَ قَالَ قُلْتُ لِابْنِ عَبَّاسٍ أَقْرَأُ وَالْإِمَامُ بَيْنَ يَدَيَّ
فَقَالَ لَا رَوَاهُ الطَّحَاوِيُّ وَاسْنَادُهُ حَسَنٌ۔ حضرت ابو جمرہ نے بیان کیا کہ میں نے
ابن عباس سے پوچھا کہ جب امام میرے سامنے موجود ہو تو اس کے پیچھے قرأت کر لیا
کروں فرمایا نہ کرو۔ اسے امام طحاوی نے روایت کیا ہے اور اسناد اس کی حسن ہے فتح
الملہم شرح صحیح مسلم کے ص ۲۵ پر ہے کہ:

”فَقَدْ رَوَى مَالِكٌ بِإِسْنَادٍ صَحِيحٍ عَنْ وَهْبِ بْنِ كَيْسَانَ أَنَّهُ سَمِعَ
جَابِرَ بْنَ عَبْدِ اللَّهِ يَقُولُ مَنْ صَلَّى رَكْعَةً لَمْ يَقْرَأْ فِيهَا بِأَمِّ الْقُرْآنِ
فَلَا يَصِلُ إِلَى رِوَاةِ الْإِمَامِ۔ وَعَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ مَقْسَمٍ أَنَّهُ سَمِعَ عَبْدَ
اللَّهِ بْنَ عُمَرَ وَزَيْدَ بْنَ ثَابِتٍ وَجَابِرَ بْنَ عَبْدِ اللَّهِ فَقَالُوا لَا يَقْرَأُ
خَلْفَ الْإِمَامِ فِي شَيْءٍ مِنَ الصَّلَاةِ۔ رَوَاهُ الطَّحَاوِيُّ وَاسْنَادُهُ
صَحِيحٌ وَفَتْوَى زَيْدُ بْنُ ثَابِتٍ مُوجُودٌ فِي صَحِيحِ مُسْلِمٍ أَيْضًا
فِي بَابِ سُجُودِ التَّلَاوَةِ وَبَوَافِقُهُمْ فَتَوَى ابْنُ مَسْعُودٍ وَابْنُ عَبَّاسٍ
وَأَبِي الدَّرْدَاءِ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمْ وَرَوَى عَنْ أَبِي وَابِلٍ عَنْ ابْنِ
مَسْعُودٍ۔ اَنْصِتَ لِلْقُرْآنِ فَإِنَّ فِي الصَّلَاةِ مُغْلًا وَسَيَكْفِيكَ ذَلِكَ
الْإِمَامُ۔ وَعَنْ أَبِي جُمْرَةَ قَالَ قُلْتُ لِابْنِ عَبَّاسٍ أَقْرَأُ وَالْإِمَامُ بَيْنَ
يَدَيَّ فَقَالَ لَا۔“ (الخ)

”تحقیق امام مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے صحیح سند کے ساتھ وہب بن

کیسان سے روایت کی اس نے حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو فرماتے سنا کہ جس نے رکعت نماز پڑھی اس میں سورۃ فاتحہ نہ پڑھی پس اس نے نماز نہ پڑھی مگر جب کہ امام کے پیچھے ہو اور عبد اللہ بن مقسم سے ہے کہ اس نے عبد اللہ بن عمر اور زید بن ثابت اور جابر بن عبد اللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے امام کے پیچھے قرأت کا پوچھا ان سب حضرات نے فرمایا کہ نمازوں میں کسی نماز میں مقتدی امام کے پیچھے قرأت نہ کرے۔ اسے امام طحاوی نے روایت کیا اور سند اس کی صحیح ہے اور نیز زید بن ثابت کا فتویٰ صحیح مسلم کے باب سجود التلاوة میں موجود ہے اور ان کے موافق ہی ابن مسعود اور ابن عباس اور ابو درداء رضی اللہ تعالیٰ عنہم کا فتویٰ ہے اور ابو اکل سے مروی ہے کہ حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا: قرأت سننے کے لیے خاموش رہے بے شک نماز میں توجہ چاہیے اور امام کی قرأت تجھے کافی ہے اور ابو جمرہ سے منقول ہے کہ میں نے حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے پوچھا کہ امام کے پیچھے قرأت کر لیا کروں فرمایا نہ کیا کرو۔

ہدایہ کی شرح فتح القدیر ج ۱ ص ۲۳۸ پر ہے کہ:

”رَوَى عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ زَيْدٍ بْنِ أَسْلَمَ عَنْ أَبِيهِ قَالَ سَمِعْتُ عَشْرَةَ مِنْ أَصْحَابِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَنْهَوْنَ الْفِرَاءَةَ خَلْفَ الْإِمَامِ أَشَدَّ النَّهْيِ أَبُو بَكْرٍ الصِّدِّيقُ وَعُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ وَعُثْمَانُ بْنُ عَفَّانَ وَعَلِيُّ بْنُ أَبِي طَالِبٍ وَعَبْدُ الرَّحْمَنِ بْنُ عَوْفٍ وَسَعْدُ بْنُ أَبِي وَقَّاصٍ وَعَبْدُ اللَّهِ بْنُ مَسْعُودٍ وَزَيْدُ بْنُ ثَابِتٍ وَعَبْدُ اللَّهِ بْنُ عُمَرَ وَعَبْدُ اللَّهِ بْنُ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُمْ“

”عبد اللہ ابن زید اپنے باپ زید بن اسلم سے روایت کرتے ہیں کہ اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں سے دس حضرات امام کے

پیچھے قرأت کرنے کو منع فرماتے تھے حضرت ابو بکر صدیق اور عمر بن خطاب اور عثمان بن عفان اور علی بن ابی طالب اور عبد الرحمن بن عوف اور سعد بن ابی وقاص اور عبد اللہ بن مسعود اور زید بن ثابت اور عبد اللہ بن عمر اور عبد اللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہم سختی سے منع کرتے تھے۔“

مخفی نہ رہے کہ یہاں صرف ان حضرات کے آثار پیش کرنا یہ مقصود تھا ان حضرات سے منسوبہ آثار کو وہابی صاحب نے اپنے موقف پر بطور دلیل پیش کیا ہے ورنہ دیگر صحابہ کرام سے بھی امام کے پیچھے قرأت کے منع پر بہت اقوال ملتے ہیں پھر جن صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے آثار امام کے پیچھے قرأت کی منع پر اوپر بیان کیے گئے ہیں ان میں سے بعض امام کے پیچھے قرأت کے عدم جواز پر واردہ احادیث کے بھی راوی ہیں ان کے اسمائے گرامی یہ ہیں:

حضرت عمرؓ حضرت علیؓ حضرت جابر بن عبد اللہؓ ابو ہریرہؓ حضرت عائشہؓ حضرت انسؓ حضرت ابو درداءؓ حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین اب جب ان حضرات کا عمل و قول ان سے مروی امام کے پیچھے قرأت کے عدم جواز پر احادیث کے مطابق ہے تو ترجیح ازروئے انصاف و اصول انہیں ہونی چاہیے۔

اسی جگہ سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ بعض صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے دو طرح کے آثار امام کے پیچھے قرأت کے ثبوت اور منع پر آنے کی کیا وجہ ہے اس کا جواب ہے کہ اگر امام کے پیچھے قرأت کے ثبوت پر بعض آثار صحیح ہوں تو اس کی مندرجہ ذیل صورتیں ہیں:

ثبوت کے اقوال منع سے پہلے ہوں پھر ان حضرات نے امام کے پیچھے قرأت کے منع کی طرف رجوع کر لیا۔

دوم امام کے پیچھے قرأت کے ثبوت پر آثار نسخ کا علم ہونے سے پہلے ہوں۔

یہاں تک بحمد اللہ تعالیٰ باب قرأت خلف الامام کی بحث پوری ہوئی اب جاہ الحق سے پانچواں باب آئین آہستہ کہنے کے ثبوت میں شروع ہوتا ہے۔ حکیم الامت